کیا میلاد النبی ﷺ منانا بدعت ہے؟

جشنِ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرعی حیثیت اور اُس کے فضائل و ثمرات کے بیان کے بعد اب ہم زیر نظر موضوع کی مناسبت سے تصورِ بدعت کے مختلف پہلوؤں پر غور کریں گے۔ بہ طورِ خاص اس بے بنیاد تصور کا اِزالہ کریں گے کہ ہر وہ کام جو عہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نہیں تھا اور نہ خلفائے راشدین و صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے زمانے میں اس کا ثبوت ملتا ہے، اسے اگر بعد میں کیا جائے تو قطعِ نظر اچھائی یا برائی کے۔ وہ بدعت (یعنی نیا کام) ہونے کی بناء پر کلیتًا ناجائز اور حرام تصور ہوگا۔ ذیل میں اِس خود ساختہ تصور کو قرآن و حدیث کے واضح دلائل کی روشنی میں پرکھا جائے گا۔ نیز یہ حقیقت سمجھنے کی کوشش کی جائے گی کہ جشنِ میلاد ایک مشروع، مباح اور جائز عمل ہے۔

بدعت کا لغوی مفہوم

"بدعت" کا لفظ بَدَعَ سے مشتق ہے۔ اس کا لغوی معنی ہے:

"کسی سابقہ مثال کے بغیر کوئی نئی چیز ایجاد کرنا اور بنانا۔"

1۔ابن منظور افریقی (630۔711ھ) لفظِ بدعت کے تحت لکھتے ہیں:

اِبدعت الشيء: اخترعته لاعلی مثال.

"میں نے فلاں شے کو پیدا کیا یعنی اُسے بغیر کسی مثال کے ایجاد کیا۔"

ابن منظور، لسان العرب، 8 : 6

2۔ حافظ ابن حجر عسقلانی (773۔852ھ) بدعت کا لُغوی مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

البدعة اِصلها ما اِحدث علی غیر مثال سابق.

"اَصلِ بدعت یہ ہے کہ اُسے بغیر کسی سابقہ نمونہ کے ایجاد کیا گیا ہو۔"

1. عسقلانی، فتح الباری، 4 : 253

2. شوکانی، نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار، 3 : 63

معنیء بدعت کی قرآن حکیم سے توثیق

قرآنِ مجید میں مختلف مقامات پر لفظِ بدعت کے مشتقات بیان ہوئے ہیں جن سے مذکورہ معنی کی توثیق ہوتی ہے۔ صرف دو مقامات درج ذیل ہیں :

1۔ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان بغیر کسی مثالِ سابق کے پیدا فرمائے، اس لیے خود کو بدیع کہا۔ فرمایا:

بَدِیعُ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ وَإِذَا قَضَی اَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُونُ ○

”وہی آسمانوں اور زمین کو عدم سے وجود میں لانے والا ہے، اور جب وہ کسی چیز (کے ایجاد) کا فیصلہ فرمالیتا ہے تو پھر اس کو صرف یہی فرماتا ہے: تو ہو جا، پس وہ ہو جاتی ہے“ ○

البقرہ، 2 : 117

2۔ ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

بَدِیعُ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ.

”وہی آسمانوں اور زمین کا مُوجد ہے۔“

الانعام، 6 : 101

درج بالا آیات سے ثابت ہوا کہ کائناتِ اَرضی و سماوی کی تخلیق کا ہر نیا مرحلہ بدعت ہے اور اِسے عدم سے وجود میں لانے والی ذاتِ باری تعالیٰ ”بدیع“ ہے۔

بدعت کا اِصطلاحی مفہوم

اہلِ علم کے نزدیک بدعت کی اِصطلاحی تعریف درج ذیل ہے:

1۔ اِمام نووی (631۔ 677ھ) بدعت کی تعریف اِن الفاظ میں کرتے ہیں:

البدعة هي إحداث مالم يكن في عهد رسول الله صلي الله عليه و آله و سلم.

''بدعت سے مراد ایسے نئے کام کی ایجاد ہے جو عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نہ ہو۔''

نووی، تہذیب الأسماء واللغات، 3 : 22

2۔ شیخ ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ (736۔795ھ) بدعت کی اِصطلاحی تعریف درج ذیل الفاظ میں کرتے ہیں:

المراد بالبدعة ما أحدث مما لا أصل له في الشريعة يدل عليه، و أما ما كان له أصل من الشّرع يدل عليه فليس ببدعة شرعاً، و إن كان بدعة لغة.

''بدعت سے مراد ہر وہ نیا کام ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل موجود نہ ہو جو اس پر دلالت کرے، لیکن ہر وہ معاملہ جس کی اصل شریعت میں موجود ہو وہ شرعاً بدعت نہیں اگرچہ وہ لغوی اعتبار سے بدعت ہوگا۔''

.1 ابن رجب، جامع العلوم والحکم فی شرح خمسین حدیثاً من جوامع الکلم : 252

.2 عظیم آبادی، عون المعبود شرح سنن أبی داود، 12 : 235

.3 مبارک پوری، تحفۃ الأحوذی شرح جامع الترمذی، 7 : 366

حافظ ابنِ حجر عسقلانی (773۔ 852ھ) بدعتِ حسنہ اور بدعتِ سیّئہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

والتحقيق أنها إن كانت مما تندرج تحت مستحسن في الشّرع فهي حسنة، وإن كانت مما تندرج تحت مستقبح في الشّرع فهي مستقبحة.

’’تحقیق یہ ہے کہ اگر بدعت کوئی ایسا کام ہو جو شریعت میں مستحسن اُمور میں شمار ہو تو وہ حسنہ ہے اور اگر وہ شریعت میں ناپسندیدہ اُمور میں شمار ہو تو وہ قبیحہ ہوگی۔‘‘

1. عسقلانی، فتح الباری، 4 : 253

2. شوکانی، نیل الأوطار شرح منتقی الأخبار، 3 : 63

اِن تعریفات سے واضح ہوتا ہے کہ ہر نئے کام یعنی بدعت کو محض نیا کام ہونے کی وجہ سے مطلّقاً حرام یا ممنوع قرار نہیں دیا جاسکتا بلکہ اُس کے جواز یا عدمِ جواز کو پرکھنے کا پیمانہ یہ ہے کہ اگر وہ نیا کام شریعت میں مستحسن و مباح ہے تو اُسے بدعتِ حسنہ کہیں گے اور اگر وہ نیا کام شریعت میں غیر مقبول و ناپسندیدہ ہو تو اُسے بدعتِ سیئہ یا بدعتِ قبیحہ کہیں گے۔

اِس اُصولی بحث کے بعد یہ اَمر واضح ہوگیا کہ جشنِ میلادالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگرچہ قرونِ اُولیٰ میں اِس شکل میں موجود نہیں تھا جس ہیئت میں آج موجود ہے، لیکن چوں کہ قرآن حکیم کی تلاوت، ذِکرِ اِلٰہی، تذکارِ رسالت، ثناخوانیء مصطفیٰ صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم، صدقہ و خیرات کرنا، فقراء و مساکین کو کھانا کھلانا جیسے اَعمال اِس جشن کے مشتملات ہیں، اور اِن میں سے کوئی اَمر بھی شریعت میں ممنوع نہیں، لہٰذا یہ ایک جائز، مشروع اور مستحسن عمل ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ سابقہ اَدوار کے لوگ اپنے رسوم و رواج اور ثقافت کے مطابق نعمتِ عظمیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملنے کے دن شکرِ الٰہی بجا لاتے تھے، جب کہ موجودہ دور میں جس طرح زندگی کے ہر گوشہ میں تبدیلی رُونما ہوئی ہے اُسی طرح جشن میلادالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منانے کے اَطوار بھی تبدیل ہوئے ہیں۔ ذیل میں ہم اِس اَمر کی وضاحت کرتے ہیں:

کیا علاقائی ثقافت کا ہر پہلو بدعت ہے؟

ہم اپنی روز مرّہ زندگی میں جو کچھ کرتے ہیں اُسے قرآن وسنت کی روشنی میں شرعاً ثابت کرنے پر زور دینا ہمارا مزاج بن چکا ہے۔ ہم ہر چیز کو بدعت اور ناجائز کہہ دیتے ہیں۔ اس میں میلادالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جلوس اور بہت سے مستحسن اُمور جو ہمارے ہاں رواج پا چکے ہیں ان کو معترضین بدعت سے تعبیر کرتے نہیں تھکتے۔ کچھ چیزیں اصلاً دینی ہوتی ہیں ان کی اصل توضیح اور استدلال کو کتاب وسنت میں تلاش کرنا چاہیے کہ وہ احکامِ دین کا حصہ ہوتی ہیں۔ اس کے ثبوت یا عدمِ ثبوت پر تو حکم شرعی ہونا چاہیے

کہ ثابت ہے تو حکم ہے اور اگر غیر ثابت ہے تو حکم نہیں اور باقی چیزوں کی تقسیم کر سکتے ہیں:

اَوّلًا: کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان میں علاقائی اور سماجی رواج شامل ہو جاتے ہیں۔ یہ ایک اہم اور نئی جہت ہے کہ علاقائی رواج دینی اُمور نہیں بن جاتے اور وہ چیزیں کلچر یعنی تہذیب و ثقافت کا رُخ اختیار کر لیتی ہیں۔

ثانیاً: کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو وقتی مصالح، بدلتے ہوئے حالات، لوگوں کے رُجحانات اور اجتماعی میلانات کی آئینہ دار ہوتی ہیں۔

ثالثاً: بعض علاقائی، سماجی اور کلچرل ضرورتیں اور تقاضے بعض چیزوں کو ناگزیر بنا دیتے ہیں۔

1۔ ثقافتی اِعتبار سے دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم

صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کا دور ثقافتی اِعتبار سے سادہ تھا۔ اس دور کا ثقافتی اور تاریخی نقطہ نظر سے جائزہ لیں تو اس دور میں مسجدیں سادگی سے بنائی جاتی تھیں، گھر بھی بالعموم سادہ اور کچے بنائے جاتے تھے، کھجور کے پتوں اور شاخوں کو استعمال میں لایا جاتا، جب کہ خانہ کعبہ پتھروں سے بنا ہوا موجود تھا۔ وہ چاہتے تو مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی پختہ بنا سکتے تھے مگر اس دور کے معاشرے کی ثقافت اور رسم رواج سادہ اور فطرت سے انتہائی قریب تھے۔ ابتدائی تہذیب کا زمانہ تھا۔ کپڑے بھی ایسے ہی تھے جیسے انہیں میسر تھے۔ کھانا پینا بھی ایسا ہی تھا۔ یعنی ہر ایک عمل سادگی کا انداز لیے ہوئے تھا۔ ان کے کھانے پینے، چلنے پھرنے، رہن سہن الغرض ہر چیز میں سادگی نمایاں طور پر جھلکتی نظر آتی تھی۔ تو جب ہر چیز میں یہ انداز واضح طور پر جھلکتا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کی خوشی منانے میں بھی اُن کا اپنا انداز اس دور کے کلچر کی انفرادیت کا آئینہ دار تھا۔

2۔ میلادالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ثقافتی مظاہر

ہم یومِ پاکستان اور یومِ قائدِ اعظم مناتے ہیں، اس موقع پر جلوس نکالتے ہیں۔ یہ ہمارے علاقائی رسم و رواج کا حصہ ہے، اسے شرعی نہیں بلکہ ثقافتی نقطۂ نظر سے دیکھا جاتا

ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے میلاد شریف پر خوشی منانا قرآن وسنت سے ثابت ہے اور اس کا تقاضا ہے کہ مومن کا دل خوشی وانبساط سے لبریز ہو جائے، البتہ اس کے اظہار کے مختلف ثقافتی طریقے ہیں جن کا وقت کے ساتھ ساتھ بدلنا ناگزیر ہوتا ہے۔

(1) میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موقع پر جلوس نکالنا ثقافت کا حصہ ہے

اگر یومِ پاکستان منانا ثقافتی نقطۂ نظر سے درست ہے تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے میلاد کا دن جو انسانی تاریخ کا اہم ترین دن ہے کیوں نہ منایا جائے؟ اگر یومِ آزادی پر توپوں کی سلامی دی جاتی ہے تو میلاد کے دن کیوں نہ دی جائے؟ اس طرح اور موقعوں پر چراغاں ہوتا ہے تو یومِ میلاد پر چراغاں کیوں نہ کیا جائے؟ اگر قومی تہوار پر قوم اپنی عزت وافتخار کو نمایاں کرتی ہے تو حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے دن وہ بہ طور اُمت اپنا جذبہ افتخار کیوں نمایاں نہ کرے؟ جس طرح ان ثقافتی مظاہر پر کسی اِستدلال کی ضرورت نہیں اُسی طرح میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جلوس کے جواز پر بھی کسی اِستدلال کی ضرورت نہیں۔ خوشی اور احتجاج دونوں موقعوں پر جلوس نکالنا بھی ہمارے کلچر کا حصہ بن گیا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم کے میلاد پر اگر ہم جلسہ و جلوس اور صلوٰۃ وسلام کا اہتمام کرتے ہیں تو اس کا شرعی جواز دریافت کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

یہ پوچھا جاتا ہے کہ عرب کیوں جلوس نہیں نکالتے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عرب کے کلچر میں جلوس نہیں، جب کہ عجم کے کلچر میں ایسا ہے۔ متحدہ عرب امارات اور مصر وغیرہ میں لوگ میلاد مناتے ہیں لیکن جلوس نکالنا ان کے کلچر میں بھی نہیں، جب کہ ہمارے ہاں تو ہاکی کے میچ میں کامیابی پر بھی جلوس نکالنا خوشی کا مظہر سمجھا جاتا ہے۔ جیتنے والی ٹیموں اور الیکشن جیتنے والے امیدواران کا استقبال جلوس کی شکل میں کیا جاتا ہے۔

لہٰذا جو عمل شریعت میں منع نہیں بلکہ مباح ہے اور ثقافتی ضرورت بن گیا ہے اور اس کا اصل مقصد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کی خوشی منانا ہے تو اس پر اعتراض کرنے کی کیا گنجائش اور ضرورت ہے؟

(2) محفلِ میلاد میں کھڑے ہو کر سلام پڑھنا ثقافت کا حصہ ہے

بر صغیر پاک و ہند میں لوگ محافل کے دوران میں کھڑے ہو کر صلوۃ و سلام پڑھتے ہیں جب کہ اہلِ عرب کے ہاں اکثر بیٹھ کر صلوۃ و سلام پڑھا جاتا ہے، لیکن مکہ مکرمہ میں اکثر لوگ قیام بھی کرتے ہیں۔ لہٰذا اِس پر بلاجواز اعتراض کرنا اور اسے باعثِ نزاع بنانا کوئی مستحسن اقدام نہیں۔ بحالتِ قیام صلوۃ و سلام کا اگرچہ شرعی جواز موجود ہے مگر اس کا دوسرا پہلو علاقائی اور ثقافتی ہے۔ یہ اپنے اپنے ذوق کی بات ہے، کوئی کھڑے ہو کر سلام پڑھتا ہے، کوئی بیٹھ کر سلام پڑھتا ہے۔ (محافل میلاد میں قیام کے موضوع پر مفصل گفتگو ہم باب نمبر 8 جشنِ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اَجزائے تشکیلی میں کر چکے ہیں۔)

(3) میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آرائش و زیبائش ثقافت کا حصہ ہے

قرونِ اُولیٰ میں لوگوں کی طبیعت کے اندر نیکی اور خیر کے پہلو اتنے غالب ہوتے تھے کہ انہیں کسی اِہتمام کی ضرورت نہیں پڑتی تھی بلکہ حکم ہی کافی تھا۔ لیکن آج صورت حال بدل چکی ہے۔ حکم کے وہ اثرات نہیں رہے اس لیے جامد طبیعتوں کو نیکی کی طرف راغب کرنے کے لیے مسجدیں خوبصورت بنانے کا رُحجان زور پکڑ گیا ہے، جب کہ

مساجد کی زیب و زینت کا قرآن و حدیث میں کہیں حکم نہیں۔ ایسا کیوں ہے؟ اس لیے ہے کہ ظاہری اَسباب رغبت کا باعث بنتے ہیں۔ اسی لیے فرمایا:

یَا بَنِیٓ آدَمَ خُذُوا زِینَتَکُمْ عِندَ کُلِّ مَسْجِدٍ.

”اے اَولادِ آدم! تم ہر نماز کے وقت اپنا لباسِ زینت (پہن) لیا کرو۔“

الأعراف، 7 : 31

اس پہلو کا تعلق اَحکامِ شریعت سے نہیں ثقافت سے ہے۔ داڑھی کے بال سنوارنا، سرمہ ڈالنا، سر میں تیل لگانا، اچھے کپڑے زیب تن کرنا اَعمالِ سنت ہیں، اور ظاہری رغبت دلانے والی چیزیں ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِن اَفعال کی ترغیب دلائی ہے۔ اِسی لیے فرمایا:

من اِکل من ہذہ البقلۃ فلا یقربن مساجد نا، حتی یذہب ریحھا یعنی الثوم.

’’جو شخص اِس ترکاری (یعنی لہسن، پیاز) کو کھائے وہ ہماری مساجد میں نہ آئے یہاں تک کہ اِس کی بو (اُس کے منہ سے) ختم ہو جائے۔‘‘

1. مسلم، الصحیح، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ، باب نہی من اِکل ثوماً اِو بصلاً اِو کراثاً اِو نحو ہما، 1 : 394، رقم: 561

2. اِبو داود، السنن، کتاب الاطعمۃ، باب فی اِکل الثوم، 3 : 160، 161، رقم: 3824، 3825

کیا لہسن، پیاز کھانے والا کسی قبیح جرم کا مرتکب ہو گیا ہے کہ اسے مسجد میں آنے سے روکا گیا ہے؟ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظاہری اَسباب کی بناء پر ہی فرمایا کہ اگر کوئی لہسن، پیاز کھا کر مسجد میں آئے گا تو مسجد میں بیٹھے لوگوں کی طبیعت میں اِنقباض پیدا ہو گا۔ جسمانی آرائش و زینت سے متعلقہ یہ اور اِس موضوع کی حامل دیگر احادیث

ثابت کرتی ہیں کہ اسلام میں ظاہری اَسباب پیدا کیے جانے کو قرینِ حکمت اور قرینِ مصلحت سمجھا جاتا ہے۔

بدعت کی مبادیات اور جشنِ میلاد کے ثقافتی پہلوؤں کے بیان کے بعد اب ہم بدعت کا حقیقی تصور بیان کرتے ہیں:

بدعت کا حقیقی تصور

ذیل میں اَحادیثِ مبارکہ کی روشنی میں بدعت کا حقیقی مفہوم بیان کیا جارہا ہے جس سے یہ واضح ہو جائے گا کہ ''مضمونِ بدعت کی احادیث'' کا حقیقی اِطلاق کن کن بدعات پر ہوتا ہے:

1۔ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من إحدث فی إمر ناہذا ما لیس منہ فہو ردّ.

’’جو ہمارے اس دین میں کوئی ایسی نئی بات پیدا کرے جواِس میں سے نہ ہو تو وہ مردود ہے۔‘‘

1. مسلم، الصحیح، کتاب الاقضیۃ، باب نقض الأحکام الباطلۃ، 3 : 1343، رقم: 1718

2. ابن ماجہ، السنن، المقدمۃ، باب تعظیم حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، 1 : 7، رقم: 14

3. إحمد بن حنبل، المسند، 6 : 270، رقم: 26372

2۔ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ہی مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من إحدث في إمر ناہذا ما لیس فیہ فہو ردّ.

''جو ہمارے اس دین میں کوئی ایسی نئی بات پیدا کرے جو اِس میں اَصلًا نہ ہو تو وہ مردود ہے۔''

.1 بخاری، الصحیح، کتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا علی صلح جور، 2 : 959، رقم: 2550

.2 ابو داوٗد، السنن، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، 4 : 200، رقم: 4606

3۔ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من عمل عملًا لیس علیہ إمر نا فہو ردٌّ.

’’جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا کوئی اَمر موجود نہیں تو وہ مردود ہے۔‘‘

1. مسلم، الصحیح، کتاب الأقضیہ، باب نقض الأحکام الباطلۃ، 3 : 1343، رقم : 1718

2. احمد بن حنبل، المسند، 6 : 180، 256، رقم : 25511، 26234

3. دار قطنی، السنن، 4 : 227، رقم : 81

مغالطہ کا اِزالہ اور فَھُوَ رَدٌّ کا درست مفہوم

مذکورہ بالا احادیث مبارکہ میں اَحْدَثَ، مَا لَيْسَ مِنْهُ اور مَا لَيْسَ فِيْهِ کے الفاظ قابلِ غور ہیں۔ عرف عام میں اَحْدَثَ کا معنی ’’دین میں کوئی چیز ایجاد کرنا‘‘ ہے، اور مَا لَيْسَ مِنْهُ کے الفاظ اَحْدَث کا مفہوم واضح کر رہے ہیں کہ اس سے مراد وہ چیز ایجاد کرنا ہے جو دین میں نہ ہو۔ حدیث کے اس مفہوم سے ذہن میں ایک سوال ابھرتا ہے کہ اگر اَحْدَث سے مراد ’’دین میں کوئی نئی چیز پیدا کرنا‘‘ ہے تو پھر مَا لَيْسَ مِنْهُ (جو اس میں سے نہ ہو) یا مَا لَيْسَ فِيْهِ (جو اس میں اَصلاً نہ ہو) کہنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ کیوں کہ اگر وہ چیز دین میں

سے تھی یعنی اس دین کا حصہ تھی تو اسے نئی نہیں کہا جاسکتا کہ محدثۃ (نئی چیز) تو کہتے ہی اسے ہیں جو پہلے دین میں موجود نہ ہو۔

اس سوال کے جواب میں کہا جائے گا کہ حدیث مذکورہ پر غور کرنے سے یہ معنی معلوم ہوتا ہے کہ ہر نیا کام مردود نہیں بلکہ صرف وہ نیا کام مردود ہوگا جو دین کا حصہ نہ ہو، جو نیا کام دین کے دائرے میں داخل ہو وہ مردود نہیں مقبول ہے۔ اس کی مزید وضاحت یوں ہوگی کہ من احدث فی امر ناھذا ما لیس منہ ! فیہ فھو ردّ میں فھو ردّ کا اطلاق نہ صرف مَا لَیْسَ مِنْہُ پر ہوتا ہے اور نہ ہی فقط اَحْدَثَ پر بلکہ اس کا صحیح اطلاق اس صورت پر ہوگا جہاں دونوں چیزیں (اَحْدَثَ اور مَا لَیْسَ مِنْہُ ! فِیہِ) جمع ہو جائیں یعنی مردود فقط وہی عمل ہوگا جو نیا بھی ہو اور جس کی کوئی اصل، مثال یا دلیل بھی دین میں نہ ہو اور نہ دین کی کسی جہت کے ساتھ اُس کا کوئی تعلق ہو۔ پس اس وضاحت کی روشنی میں کسی بھی محدثۃ کے بدعت وضلالت قرار پانے کے لیے دو شرائط کا ہونا لازمی ہے:

1۔ دین میں اس کی کوئی اصل، مثال یا دلیل موجود نہ ہو۔

2۔ یہ محدثۃ نہ صرف دین کے مخالف اور متضاد ہو بلکہ دین کی نفی کرے اور اَحکامِ سنت کو توڑے۔

مذکورہ بالا تیسری حدیث شریف میں لَيْسَ عَلَيْهِ اَمْرُنَا سے عام طور پر یہ مراد لیا جاتا ہے کہ کوئی بھی کام خواہ وہ نیک اور اَحسن ہی کیوں نہ ہو (مثلًا ایصالِ ثواب، میلاد اور دیگر سماجی، روحانی اور اَخلاقی اُمور) اگر اس پر قرآن وسنت کی کوئی دلیل موجود نہ ہو تو یہ بدعت اور مردود ہے۔ یہ مفہوم غلط اور مبنی بر جہالت ہے کیوں کہ اگر یہ معنی مراد لے لیا جائے کہ جس کام کے کرنے پر اَمرِ قرآن وسنت نہ ہو وہ مردود اور حرام ہے تو پھر شریعت کے جملہ مباحات بھی قابلِ ردّ ہو جائیں گے۔

مذکورہ بالا اَحادیث پر غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ہر نیا کام مردود کے زمرہ نہیں آتا بلکہ صرف وہ نیا کام مردود ہوگا جس کی کوئی اَصل، مثال، ذکر، معرفت یا حوالہ . بالواسطہ یا بلاواسطہ . قرآن وسنت میں موجود نہ ہو اور اسے ضروریاتِ دین، (1) واجباتِ اسلام اور اَساسی عقائدِ شریعت میں اِس طرح شمار کر لیا جائے کہ اسے ''اَساسیاتِ دین میں اِضافہ'' سمجھا جانے لگے یا اُس سے دین اسلام کے بنیادی اصولوں میں اَصلًا

کمی بیشی واقع ہو جائے۔ فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کُلُّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃٌ سے بھی یہی بدعت مراد ہے، نہ کہ ہر نئے کام کو ''ضلالۃ'' کہا جائے گا۔ یہی اِحداث فی الدین، اسلام کی مخالفت اور دین میں فتنہ تصور ہو گا۔

(1) ضروریاتِ دین ان چیزوں کو کہتے ہیں جن میں سے کسی ایک چیز کا انکار کرنے سے بھی انسان کافر ہو جاتا ہے۔

مذکورہ بالا بحث واضح کرتی ہے کہ جشن میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہرگز کوئی ایسا اَمر نہیں ہے جو قرآن و حدیث کے خلاف ہو بلکہ یہ ایک ایسا مبنی بر خیر اور مستحسن عمل ہے جو سراسر شریعت کے منشاء و مقصود کے عین مطابق ہے۔

عہدِ نبوی میں اِحداث فی الدین سے مراد

گزشتہ صفحات میں ''بدعت'' اور ''اِحداث فی الدین'' (دین میں نئے کاموں کے آغاز) پر علمی و قیاسی گفتگو کی گئی کہ ہر وہ نیا کام جس پر دلیل شرعی موجود ہو شرعاً بدعت

نہیں اگرچہ لغوی اعتبار سے وہ بدعت ہوگا۔ اب ان کی عملی واِطلاقی صورت بیان کی جاتی ہے کہ وہ کون سے اُمور یا معاملات ہیں جن پر بدعات و محدثات کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس کے لیے ایک قاعدہ اور ضابطہ متعین ہونا چاہیے کہ قیامت تک کے لیے اِسی قاعدہ اور کلیہ کی کسوٹی پر کسی بھی معاملہ کو رکھ کر ہم یہ کہہ سکیں کہ یہ بدعت ضلالہ اور اِحداث فی الدین ہے۔ ذیل میں ہم اِس حوالہ سے چند روایات نقل کریں گے:

1۔ اِحداث فی الدین یعنی کفر واِرتداد کے فتنوں کا آغاز حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے فوری بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوا۔
حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إنا فرطكم على الحوض وليرفعن رجال منكم، ثم ليختلجن دوني. فأقول: يارب! إصحابي؟ فيقال: إنك لاتدري ما احدثوا بعدك.

’’میں حوضِ کوثر پر تمہارا پیش رَو ہوں گا اور تم میں سے کچھ آدمی مجھ پر پیش کیے جائیں گے، پھر وہ مجھ سے جدا کر دیے جائیں گے، تو میں کہوں گا: اے میرے رب! کیا یہ میرے لوگ ہیں؟ تو کہا جائے گا: کیا آپ نہیں جانتے کہ اُنہوں نے آپ کے بعد (دین میں) کیا کیا نئی چیزیں نکالیں (یعنی نئے فتنے بپا کیے)؟‘‘

1. بخاری، الصحیح، کتاب الرقاق، باب في الحوض، 5 : 2404، رقم: 6205

2. مسلم، الصحیح، کتاب الفضائل، باب إثبات حوض نبینا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، 4 : 1796، رقم: 2297

3. احمد بن حنبل، المسند، 1 : 439، رقم: 4180

2۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم : لاإلفين‌ّ ما نوزعتُ إحداً منكم علی الحوض. فأقول : ہذا من إصحابي. فيقال : إنك لاتدری ما إحد ثوا بعدك. قال إبوالدرداء : يا نبي اللہ ! ادع اللہ إن لايجعلني منهم. قال : لست منهم.

”رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں تم میں سے کسی ایک کو نہ پاؤں جس کو میرے پاس حوض پر آنے سے روک دیا جائے تو میں کہوں: یہ میرے لوگوں میں سے ہیں۔ تو کہا جائے: کیا آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد (دین میں) کیا کیا نئے فتنے پیدا کیے؟ ابو درداء رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! آپ اللہ سے دعا کیجیے کہ میں ان میں سے نہ ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم ان میں سے نہیں ہو۔“

1. طبرانی، المعجم الأوسط، 1 : 125، رقم: 397

2. طبرانی، مسند الشاميين، 2 : 311، رقم: 1405

3. ابن إبی عاصم، السنة، 2 : 357، رقم: 767

4. دیلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، 1 : 50، رقم: 129

5. ہیثمی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، 9 : 367، 10 : 365

اِس حدیث مبارکہ میں الفاظ لست منھم (تم ان میں سے نہیں ہو) سے پتہ چلا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتنہ پروروں کو جانتے تھے، اِس لیے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے فرمادیا کہ وہ ان میں سے نہیں ہیں، دین میں بدعات کا آغاز کرنے والے اور لوگ ہیں۔

3۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: إنی ممسک بحجزکم ھلمّ عن النار، وإنتم تہافتون فیہا إو تقاحمون تقاحم الفراش فی النار والجنادب یعنی فی النار، وإنا ممسک بحجزکم، وإنا فرط لکم علی الحوض، فتردون علی معاً وإشتاتاً، فأعرفکم بسیماکم، وإسمائکم کما یعرف الرجل الفرس. وقال غیرہ: کما یعرف الرجل الغریبۃ من الإبل فی إبلہ. فیؤخذ بکم ذات الشمال، فأقول:

إلیّ یارب ! إمتی إمتی . فیقول إو یقال : یا محمد ! إنکَ لاتدری ما إحد ثوابعدک ، کانوا یمشون بعدک القھقری .

’’رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : بے شک میں تمہیں کمر سے پکڑ کر آگ سے روکنے والا ہوں اور تم اس میں ایک دوسرے سے بڑھ کر گرتے ہو۔ یا (فرمایا :) تم پروانوں اور ٹڈیوں کی طرح آگ میں گرتے ہو اور میں تمہیں کمر سے پکڑنے والا ہوں اور میں حوضِ کوثر پر تمہارا پیش رَو ہوں گا، پس تم میرے پاس اکیلے اور گروہ در گروہ آؤگے تو میں تمہاری نشانیوں اور ناموں سے تمہیں ایسے پہچانتا ہوں گا جیسے آدمی اپنے گھوڑے کو پہچانتا ہے۔ (اور اس راوی کے علاوہ نے کہا :) جیسے ایک آدمی اجنبی اونٹ کو اپنے اونٹوں میں پہچان لیتا ہے۔ پس تمہیں بائیں طرف سے لے جایا جائے گا تو میں کہوں گا : اے میرے رب ! میری امت ! میری امت ! تو وہ فرمائے گا یا کہا جائے گا : اے محمد ! آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد (دین میں) کیا کیا نئے فتنے پیدا کیے ؟ وہ آپ کے بعد الٹے پاؤں پھر گئے تھے یعنی مرتد ہوگئے تھے۔‘‘

.1.بزار، البحر الزخار (المسند)، 1 : 314، 315، رقم : 204

2. قضاعی، مسند الشہاب، 2 : 175، رقم: 1130

3. سدوسی، مسند عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، 1 : 84

4. منذری، الترغیب والترہیب من الحدیث الشریف، 1 : 318، رقم: 1169

5. ہیثمی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، 3 : 85

اِسی مضمون کی اور بھی بہت سی اَحادیث وارد ہوئی ہیں جن میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد قریبی زمانہ میں ''اِحداث'' کا ذکر ہے اور اِحداث سے مراد دین میں ایسے بڑے فتنوں کا اِجراء لیا گیا ہے جو دین کو ہی بدل دیں۔ علاوہ ازیں احادیث مبارکہ سے اس امر کی نشان دہی بھی ہوتی ہے کہ خلفائے راشدین کے دور میں محدثات الامور اِرتداد کے فتنوں کی شکل میں ظاہر ہوئے، ان کا ارتکاب کرنے والے وہ تھے جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ میں اِسلام قبول کر لیا اور بعد میں مرتدین، منکرینِ زکوۃ، جھوٹے مدعیانِ نبوت اور خوارج میں شامل ہوگئے۔ ہمارے اس مؤقف کی تائید حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متعدد احادیث مبارکہ سے ہوتی ہے جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

4۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں :

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم : تحشرون حفاۃ عراۃ غرلًا، ثم قرأ (كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهُ وَعْدًا عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ) (1) فأول من یکسی إبراھیم، ثم یؤخذ برجال من إصحابی ذات الیمین وذات الشمال. فأقول : إصحابی. فیقال : إنھم لم یزالوا مرتدّین علی إعقابھم منذ فارقتھم. فأقول : کما قال العبد الصالح عیسی بن مریم : (وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنتَ أَنتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝ إِن تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِن تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ.) (2)

قال محمد بن یوسف : ذُکر عن إبی عبد اللہ، عن قبیصۃ، قال : ھم المرتدون الذین ارتدّوا علی عھد إبی بکر، فقاتلھم إبو بکر رضی اللہ عنہ. (3)

"رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم ننگے پاؤں، ننگے بدن، غیر مختون حالت میں جمع کیے جاؤ گے۔ پھر آیت مبارکہ تلاوت کی: (جس طرح ہم نے (کائنات کو) پہلی بار پیدا کیا تھا، ہم (اس کے ختم ہو جانے کے بعد) اُسی عمل تخلیق کو دہرائیں گے۔ یہ وعدہ پورا کرنا ہم نے لازم کر لیا ہے۔ ہم (یہ اِعادہ) ضرور کرنے والے ہیں ہo پس سب سے پہلے اِبراہیم کو (خلعت) پہنائی جائے گی، پھر میرے لوگوں کو دائیں اور بائیں سے پکڑا جائے گا تو میں کہوں گا: کیا یہ میرے لوگ ہیں؟ تو کہا جائے گا: جب سے آپ ان سے جدا ہوئے ہیں، بے شک وہ الٹے پاؤں دین سے پھر کر مرتد ہو گئے ہیں۔ تو میں کہوں گا: جیسا اللہ کے صالح بندہ عیسیٰ بن مریم نے کہا: (اور میں اُن (کے عقائد و اَعمال) پر (اُس وقت تک) خبردار رہا جب تک میں ان لوگوں میں موجود رہا۔ پھر جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو تو ہی ان (کے حالات) پر نگہبان تھا اور تو ہر چیز پر گواہ ہے o اگر تو انہیں عذاب دے تو وہ تیرے (ہی) بندے ہیں، اور اگر تو انہیں بخش دے تو بے شک تو ہی بڑا غالب حکمت والا ہے(o

”محمد بن یوسف کہتے ہیں کہ ابو عبد اللہ سے ذکر کیا گیا، وہ قبیصہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا: یہ وہی مرتدین ہیں جو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں دین سے پھر گئے تھے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان سے قتال کیا تھا۔“

(1)الأنبیاء، 21 : 104

(2)المائدۃ، 5 : 117، 118

1. (3) بخاری، الصحیح، کتاب الأنبیاء، باب قول اللہ: واذکر فی الکتاب مریم إذ انتبذت من اہلہا، 3 : 1271، 1272، رقم: 3263

2. بخاری، الصحیح، کتاب الأنبیاء، باب قول اللہ: واتخذ اللہ إبراہیم خلیلا، 3 : 1222، رقم : 3171

3. ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب صفۃ القیامۃ، باب ما جاء فی شأن الحشر، 4 : 615، رقم : 2423

5۔ حضرت اَسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما روایت کرتی ہیں :

قال النّبیّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم : إنی علی الحوض حتی إنظر من یرد علی منکم، وسیؤخذ ناس دونی. فأقول : یارب ! منی ومن إمتی ؟ فیقال : ہل شعرت ما عملوا بعدک ؟ واللہ ! مابرحوایرجعون علی إعقابہم.

فکان بن إبی ملیکۃ یقول : اللّٰہم ! إنا نعوذ بک إن نرجع علی إعقابنا إو نفتتن عن دیننا.

’’حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : بے شک میں حوض پر ہوں گا یہاں تک کہ تم میں سے اپنے پاس آنے والوں کو دیکھوں گا، اور عنقریب کچھ لوگوں کو میرے پاس آنے سے روک دیا جائے گا۔ پس میں کہوں گا : اے میرے رب ! کیا یہ مجھ سے اور میری امت سے ہیں ؟ تو کہا جائے گا : آپ یقیناً جانتے تو ہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا؟ اللہ کی قسم ! وہ (دین سے) الٹے پاؤں پھر گئے تھے۔

”ابن ابی ملیکہ کہا کرتے تھے : اے اللہ ! بے شک ہم (دین سے) الٹے پاؤں پھرنے سے تیری پناہ چاہتے ہیں یا اس سے کہ ہم اپنے دین کے بارے آزمائش میں ڈالے جائیں۔“

1. بخاری، الصحیح، کتاب الرقاق، باب فی الحوض، 5 : 2409، رقم : 6220

2. مسلم، الصحیح، کتاب الفضائل، باب إثبات حوض نبینا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وصفاتہ، 4 : 1794، رقم : 2293

6۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں :

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم : إنا علی الحوض إنظر من یرد علی، فیؤخذ ناس دونی. فأقول : یارب ! منی ومن إمتی ؟ فیقال : وما یدریك ما عملوا بعدك ؟ ما برحوا بعدك یرجعون علی إعقابہم.

”رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں حوضِ کوثر پر اپنے پاس آنے والوں کو دیکھوں گا، تو کچھ لوگوں کو مجھ سے دور کر دیا جائے گا۔ پس میں کہوں گا: اے میرے رب! کیا یہ مجھ سے ہیں اور میرے امتی ہیں؟ تو کہا جائے گا: کیا آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا؟ وہ آپ کے بعد (دین سے) الٹے پاؤں پھر گئے تھے۔“

1. اِحمد بن حنبل، المسند، 3 : 384، رقم: 15161

2. ہیثمی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، 10 : 364

مذکورہ بالا اَحادیث مبارکہ سے ہمارا موقف کہ محدثات الامور سے مراد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد نمودار ہونے والے فتنے ہیں جو کہ ارتداد کی شکل میں ظاہر ہوئے درج ذیل نکات سے مزید واضح ہوتا ہے:

1۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث مبارکہ کے اگلے حصہ میں ہمارے موقف پر مرفوع متصل روایت موجود ہے کہ ''إنہم لم یزالوا مرتدین علی إعقابہم منذ فارقتہم (جونہی آپ ان سے جدا ہوئے وہ اپنی ایڑیوں کے بل دین سے پھر رہے ہیں)۔'' پس اِحداث کے مرتکب لوگوں کو حدیث میں صراحتًا مرتدین کہا گیا ہے۔

2۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث کے آخر میں امام بخاری نے محدث قَبِیصہ بن عقبہ کا درج ذیل قول نقل کیا ہے جو ہمارے موقف کا مؤید ہے:

ہم المرتدّون الذین ارتدّوا علی عہد إبی بکر، فقاتلہم إبو بکر رضی اللہ عنہ.

(''ان سے مراد) وہ مرتدین ہیں جو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں دین سے پھر گئے تھے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان سے قتال کیا تھا۔''

3۔امام بخاری نے ہی حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما سے مروی روایت بیان کرنے کے بعد ابن ابی ملیکہ تابعی کا قول نقل کیا ہے۔ابن ابی ملیکہ فرمایا کرتے تھے:

اللّٰھم !إنا نعوذ بکَ اِن نرجع علی اِعقابنااِو نفتتن عن دیننا.

”اے اللہ ! بے شک ہم (دین سے) الٹے پاؤں پھرنے سے تیری پناہ چاہتے ہیں یا اس سے کہ ہم اپنے دین کے بارے آزمائش میں ڈالے جائیں۔“

4۔مذکورہ حدیث مبارکہ میں مابرحوایرجعون علی اعقابھم (وہ (دین سے) اُلٹے پاؤں پھر گئے تھے)، یامابرحوابعدکَ یرجعون علی اعقابھم (وہ آپ کے بعد (دین سے) الٹے پاؤں پھر گئے تھے) سے بھی ہمارے بیان کردہ معنی کی تائید ہوتی ہے۔

5۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث مبارکہ میں ہے کہ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا تو ابودرداء رضی اللہ عنہ نے عرض کیا : یا نبی اللہ ! آپ اللہ سے دعا کیجیے کہ میں ان میں سے نہ ہوں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : تم ان میں سے نہیں ہو۔''

امام طبرانی اپنی کتاب ''مسند الشامیین (2 : 311، رقم : 1405)'' میں اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

فمات قبل عثمان بسنتین.

''وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے وصال سے دو سال قبل وفات پا گئے۔''

اِس سے معلوم ہوا کہ اِحداث فی الدین سے مراد خلفائے راشدین کے دور میں وقوع پذیر ہونے والا فتنۂ اِرتداد تھا۔

6۔ زیرِ نظر مؤقف کی وضاحت کرنے کے لیے ایک اور روایت نہایت ہی اہم ہے جسے امام حاکم نے ''المستدرک علی الصحیحین''میں کبیر تابعین میں سے ایک تابعی حسین بن خارجہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فتنہ اولی کے بعد اپنا ایک خواب بیان کیا ہے جس میں وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مکالمہ ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے اپنی امت کے لیے دعائے مغفرت کے لیے کہا تو انہوں نے فرمایا:

إنک لاتدری ما إحدثوا بعدک، إراقوا دماء ہم و قتلوا إمامہم.

''کیا آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد (دین میں) کیا کیا محدثات (یعنی فتنے) بپا کیے؟ انہوں نے اپنوں کا خون بہایا ہے اور اپنے امام کو قتل کیا ہے۔''

حاکم، المستدرک علی الصحیحین، 4 : 499، رقم: 8394

حافظ ابن حجر عسقلانی نے ''الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ (2 : 172، رقم: 1979)'' اور ابن عبد البر نے ''التمہید لما فی الموطا من المعانی والاسانید (19 : 222)'' میں اِمام حاکم کی بیان کردہ روایت میں مذکور ''الفتنۃ الاولی'' کے الفاظ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے موقع پر اُمتِ مسلمہ میں پیدا ہونے والا فتنہ مراد لیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے والے فتنہ پرور لوگ ہی دین میں بدعت کے مرتکب ہوئے اور یہی لوگ بدعتی کہلائے۔ یہی وہ فتنہ پرور، متعصب اور انتہاء پسند لوگ تھے جو جنگِ صفین کے بعد خارجی گروہ پیدا کرنے کی بنیاد بنے۔

عہدِ خلفائے راشدین میں رُونما ہونے والے محدثات الامور

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے فوراً بعد عہدِ خلفائے راشدین کے زمانہ میں جو بڑے بڑے ''محدثات'' (دین میں نئے فتنے) پیدا ہوئے۔ جن کو بدعات کہا گیا اور جن کے خلاف جہاد بالسیف کیا گیا۔ درج ذیل ہیں:

1۔ فتنہ دعویٰ ءِ نبوت کو اِحداث فی الدین قرار دیا گیا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے فوری بعد جھوٹے مدعیان نبوت کا فتنہ ظاہر ہوا اور ان کا یہ دعویٰ ءِ نبوت ''احداث فی الدین'' تھا۔ اَسود بن عنزہ عنسی، طلیحہ اَسدی اور مسیلمہ کذاب جیسے جھوٹی نبوت کے دعوے داروں کے خلاف حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے لشکر روانہ کیے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے ان کے خلاف جہاد کیا۔

2۔ فتنہ اِرتداد کو اِحداث فی الدین قرار دیا گیا

لشکرِ اُسامہ رضی اللہ عنہ کی روانگی کے بعد سرزمین عرب میں اِحداث کی شکل میں ایک اور فتنہ رُونما ہوا جسے فتنۂ اِرتداد کہا جاتا ہے۔ عرب کے نو مسلم قبائل اسلام سے پھر گئے اور دوبارہ اپنی پرانی روش پر چل نکلے۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس فتنہ کا قلع قمع کیا۔

طبری، تاریخ الامم والملوک، 2 : 254

3۔ فتنۂ منکرینِ زکوٰۃ کو اِحداث فی الدین قرار دیا گیا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد عرب میں فتنہ اِرتداد پھیل جانے کے ساتھ ساتھ بعض قبائل نے زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کر دیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف جنگ کا اِرادہ کرتے ہوئے فرمایا:

واللہ ! لأقاتلن من فرّق بین الصلاۃ والزکاۃ، فإن الزکاۃ حق المال، واللہ ! لو منعونی عناقًا کانوا یؤدّونہا إلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، لقاتلتہم علی منعہا.

’’اللہ کی قسم ! میں اس کے خلاف ضرور لڑوں گا جس نے نماز اور زکوٰۃ کے درمیان فرق کیا، کیوں کہ زکوٰۃ بیت المال کا حق ہے۔ اللہ کی قسم ! اگر انہوں نے مجھے ایک رسی دینے سے بھی انکار کیا جو وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ادا کرتے تھے تو اس انکار پر بھی میں ان سے ضرور قتال کروں گا۔‘‘

.1 بخاری، الصحیح، کتاب الزکاۃ، باب وجوب الزکاۃ، 2 : 507، رقم : 1335

.2 بخاری، الصحیح، کتاب استتابۃ المرتدین، باب قتل من إبی قبول الفرائض، 6، 2538، رقم: 6526

.3 مسلم، الصحیح، کتاب الإیمان، باب الأمر بقتال الناس حتی یقولوا لاإلہ إلا اللہ محمد رسول اللہ، 1 : 51، رقم: 20

لہٰذا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ان عرب قبائل کی طرف روانہ کیا جنہوں نے زکوۃ دینے سے انکار کیا تھا۔

4۔ فتنۂ خوارج کو اِحداث فی الدین قرار دیا گیا

خوارج کی اِبتداء سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوئی۔ جب صفین کے مقام پر سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں کئی روز تک لڑائی جاری رہی، جس کے نتیجے میں ہزارہا صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اور تابعین شہید ہوئے۔ بالآخر فیصلہ کیا گیا کہ طرفین میں سے دو معتمد اشخاص کو حَکَم بنایا جائے جو قرآن و سنت کے مطابق کوئی ایسی تدبیر نکالیں جس سے لڑائی کا خاتمہ ہو۔ چنانچہ سیدنا علی

المرتضٰی رضی اللہ عنہ کی طرف سے ابو موسیٰ عبداللہ بن قیس اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ مقرر ہوئے اور عہد نامہ لکھا گیا جس کے نتیجہ میں لڑائی تھم گئی۔

پھر اَشعث بن قیس نے اس کاغذ کو لے کر ہر ہر قبیلہ کے افراد کو سنانا شروع کر دیا۔ جب وہ بنی تمیم کے لوگوں کے پاس آئے جن میں ابو بلال کا بھائی عروہ بن اُدَیہ بھی تھا اور ان کو پڑھ کر سنایا تو عروہ نے کہا:

تحکّمون فی إمر اللہ عزوجل الرجال؟ لا حکم إلا للہ.

”تم اللہ کے اَمر میں انسانوں کو حَکَم بناتے ہو؟ سوائے اللہ کے کسی کا حکم نہیں۔“

.1 طبری، تاریخ الأمم والملوک، 3 : 104

.2 ابن اِثیر، الکامل فی التاریخ، 3 : 196

.3ابن جوزی، المنتظم فی تاریخ الملوک والامم، 5 : 123

اس نے یہ کہہ کر اشعث بن قیس کی سواری کے جانور کو تلوار ماری جس سے آپ رضی اللہ عنہ نیچے گر پڑے۔ اس پر آپ کے قبیلہ والے اور ان کے لوگ جمع ہو گئے اور جھگڑا ہوتے ہوتے رہ گیا۔ سیدنا علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ جب صفین سے واپس کوفہ پہنچے تو ان کو خوارج کے اس عمل سے آگاہی حاصل ہوئی تو آپ نے فرمایا:

اللہ اِکبر! کلمتہ حق یراد بہا باطل، إن سکتوا عممنا ہم، وإن تکلموا حَجَجْنا ہم، وإن خرجوا علینا قاتلنا ہم.

’’اللہ ہی بڑا ہے۔ بات تو حق ہے مگر مقصود اس سے باطل ہے۔ اگر وہ خاموش رہے تو ہم ان پر چھائے رہیں گے اور اگر انہوں نے کلام کیا تو ہم ان پر دلیل لائیں گے اور اگر وہ ہمارے خلاف نکلے تو ہم ان سے لڑیں گے۔‘‘

.1طبری، تاریخ الامم والملوک، 3 : 114

.2ابن اِثیر، الکامل فی التاریخ، 3 : 212، 213

خوارج نے لوگوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف اُکسانا شروع کر دیا اور لوگوں کو پہاڑوں پر چلے جانے یا دوسرے شہروں کی طرف نکلنے کا مشورہ دیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عمل کو بدعت ضلالۃ تک کہا گیا۔ آخر کار ان لوگوں نے آپس کے مشورہ سے ''الحُکْمُ للہ'' کے اِجراء کے لیے نہروان کا مقام چنا اور سب وہاں جمع ہو گئے۔ نہروان کے مقام پر ان خارجیوں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج کے درمیان لڑائی کا آغاز اُس وقت ہوا جب اُنہوں نے صحابی حضرت عبد اللہ بن خباب رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ ان کی شہادت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

دونکم القوم.

''اس قوم کو لو (یعنی قتل کرو)۔''

حضرت جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

فقتلت بکفی ہذہ بعد ماد خلنی ماکان دخلنی ثمانیۃ قبل إن إصلی الظھر، وما قتل منا عشرۃ ولا نجا منہم عشرۃ.

''میں نے نمازِ ظہر ادا کرنے سے قبل اپنے ہاتھوں سے آٹھ خوارج کو قتل کیا اور ہم میں سے دس شہید نہ ہوئے اور ان میں سے دس زندہ نہ بچے۔''

1. طبرانی، المعجم الأوسط، 4 : 227، رقم: 4051
2. ہیثمی، مجمع الزوائد و منبع الفوائد، 4 : 227

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں یوں فتنہ خوارج اپنے انجام کو پہنچا۔

یہی وہ فتنے تھے جن کی طرف حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے اِجتماع میں اِشارہ فرمایا، جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال فرما جانے کے بعد نمودار ہوئے اور جنہیں محدثات الامور کا نام دیا گیا۔ لہٰذا صحیح روایات کے مطابق یہ چار طبقات (مدعیانِ نبوت، مرتدینِ اِسلام، منکرینِ زکوٰۃ، خوارج) محدثات کے مرتکب تھے اور احادیث نے ''اِحداث'' کے معنی کو ''اِرتداد'' کے ساتھ مختص کر دیا ہے۔ پس اِحداث کا معنی اِرتداد ہوگا اور یہی بدعتِ ضلالت و بدعتِ سیئہ اور داخلِ دوزخ شمار ہوگی۔

آج 'محدثات الامور' کس سطح کے اُمور کو کہا جائے گا؟

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدعت کو ''محدثات الامور'' سے تعبیر کیا اور اس کا معنی خود اپنے ارشاد سے متعین فرمایا۔ وہ ایسے فتنے ہیں جو دین کی بنیادی تعلیمات کو مسخ کر دیں یا ان کا انکار کر دیں اور یہ ارتداد پر مبنی ہوں۔ لہٰذا بدعاتِ ضلالۃ سے مراد چھوٹے اور ہلکی نوعیت کے اختلافات نہیں بلکہ ان سے مراد اس سطح کے فتنے ہیں کہ ان میں سے ہر فتنہ ''خروج عن الاسلام'' اور ''اِرتداد'' کا باعث بنے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کی سنت اور اَمرِ دین کو کاٹے اور ''اِختلافِ کثیر'' بن کر اُمت میں ظاہر ہو۔ مثلاً اگر کوئی شخص دین کے بنیادی عقائد (ایمان باللہ، ملائکہ، سابقہ نازل شدہ کتب، انبیاء، یوم آخرت، تقدیر اور حیات بعد اَز موت) میں سے کسی کا انکار کرے، اسلام کے اَرکانِ خمسہ (ایمان باللہ والرسول، نماز، روزہ، حج اور زکوۃ) میں سے کسی کا انکار کرے، اَرکانِ اسلام میں کمی یا زیادتی، ختم نبوت کے انکار، تحریفِ قرآن (متنِ قرآن میں کمی یا زیادتی) کا مرتکب ہو، سنت کا انکار کرے، کسی خارجی فتنہ کی طرح باطل مسلک کی بنیاد رکھے، جہاد کی منسوخی، سود کا جواز وغیرہم کا عقیدہ گھڑ لے تو ان فتنوں کو قیامت تک کے لیے دین میں بدعاتِ ضلالۃ کہیں گے اور یہی ایسے فتنے ہیں جن کے ماننے والوں اور پیروکاروں کو جہنم کا ایندھن بنایا جائے گا۔ لٰہذا بدعت سے مراد فقط فتنہ اِرتداد اور اس کی مختلف شکلیں ہیں جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے فوراً بعد پیدا ہوئیں یا بعد کے مختلف اَدوار میں پیدا ہوں گی۔ اگر ایسی صورت نہیں ہے تو اس پر بدعتِ ضلالۃ کا اِطلاق نہیں ہوگا۔ پس آج بھی ارتداد ہی ایسا قاعدہ اور کلیہ ہے جس پر کسی بھی اَمر کو پرکھ کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ بدعتِ ضلالۃ میں شمار ہوتا ہے یا نہیں؟ لٰہذا چھوٹے چھوٹے فروعی اور نزاعی مسائل مثلاً میلاد، عرس، ایصالِ ثواب وغیرہ کو بدعات و گمراہی اور ''محدثات الامور'' نہیں کہا جاسکتا، کیوں کہ ان سے خروج عن الاسلام لازم نہیں آتا اور نہ اِرتداد ہوتا ہے بلکہ یہ اَصلاً شریعت سے ثابت ہیں۔ جب کہ ''محدثات الامور'' ان فتنوں کو کہا گیا

ہے جن کی وجہ سے اُمت میں اِختلافِ کثیر پیدا ہوا، امت آپس میں بٹ گئ حتی کہ الگ الگ لشکر بنے، جنگیں ہوئیں اور ہزاروں افراد ان فتنوں کے باعث شہید ہوئے۔

افسوس ہے ان لوگوں پر جنہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے میلاد اور ایصالِ ثواب وغیرہما کو محدثات الامور اور بدعاتِ ضلالۃ قرار دیا ہے۔ ان کو دین میں بدعت قرار دینا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیان کردہ تعریف سے انکار، حدیث سے انکار اور جسارت علی الرسول ہے۔ لیس علیہ امرنا کا بھی یہی معنی ہے، یہ دَر حقیقت دین کے اندر مستحب اور مستحسن اُمور ہیں۔ فقہاء کے درمیان ہزاروں اختلافات ہیں، کئ مسائل میں مستحب و مکروہ حتی کہ حلت و حرمت کا بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ ان اُمورِ مستحبات کو بدعات کہنا، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیان کردہ تعریف کی روشنی میں گویا ارتداد اور کفر و شرک کا فتویٰ لگانے کے مترادف ہے اور مرتدین کے خلاف قتال کرنا جہاد ہے۔ کیا جشنِ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بدعتِ ضلالہ کا فتوی لگانے والے میلاد منانے والوں کے خلاف جہاد کر رہے ہیں؟

جس طرح عہدِ صحابہ میں تدوینِ قرآن، باجماعت نمازِ تراویح اور جمعہ کے دن دو اذانوں جیسے اُمور کو جاری کرنے کا مقصد اُمتِ مسلمہ کی بھلائی تھا، ایسے ہی میلادالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منانا تاجدارِ کائنات حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ٹوٹے ہوئے قلبی اور حبی تعلق کو برقرار رکھنے اور دلوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اِطاعت واِتباع کا جذبہ بیدار کرنے کا قوی اور مستحکم ذریعہ ہے۔ اور ایصالِ ثواب جیسے اُمور متوفیانِ اِسلام کی بلندیء درجات اور گناہوں کی بخشش کا سبب ہیں۔

تصورِ بدعت آثارِ صحابہ رضی اللہ عنھم کی روشنی میں

گزشتہ بحث میں ہم نے بدعت کا لغوی مفہوم بیان کرتے ہوئے واضح کیا تھا کہ لغوی اعتبار سے بدعت نئی چیز کو کہتے ہیں اور محدثات الامور واِحداث فی الدین کا تعلق فتنہ اِرتداد یا خروج عن الاسلام کی سطح کے فتنوں کے ساتھ ہے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ بدعت کا تصور صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے آثار میں بھی موجود ہے یا نہیں؟ اس کی وضاحت کے لیے ہم یہاں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا عمل مختصراً بیان کریں گے، کیوں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اُمت کے لیے اِن صحابۂ کبار رضی اللہ عنھم کا عمل سب سے زیادہ

معتبر ہے، اور آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتنوں کے قلع قمع کے لیے اپنی اور اپنے بعد آنے والے خلفاء راشدین مہدیین کی سنت کی پیروی کو لازمی قرار دیا ہے۔

1۔ جمعِ قرآن اور شیخین رضی اللہ عنہما کا عمل

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال مبارک کے بعد جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ منصبِ خلافت پر متمکن ہوئے تو اس وقت جھوٹی نبوت کے دعوے دار مسیلمہ کذاب کے خلاف جنگ یمامہ میں تقریباً سات سو (700) حافظِ قرآن صحابہ رضی اللہ عنھم شہید ہوئے۔ قبل ازیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظاہری زمانہ اقدس سے اب تک قرآنِ حکیم کے ایک جلد میں جمع کرنے کا کوئی انتظام نہیں ہو سکا تھا بلکہ متفرق مقامات پر مختلف صورتوں میں لکھا ہوا موجود تھا۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا کہ اگر یہ سلسلہ جہاد و قتال اسی طرح جاری رہا اور وہ صحابہ رضی اللہ عنھم جن کے سینوں میں قرآن حکیم محفوظ ہے شہید ہوتے رہے تو عین ممکن ہے کہ حفاظتِ قرآن میں خاصی دشواری پیش آئے۔ اِس خدشہ کے پیش نظر اُنھوں نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو تجویز دی کہ قرآن حکیم ایک کتابی صورت میں جمع کر لیا جائے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

کیف اِفعل شیئا مالم یفعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم؟

"میں ایسا کام کیسے کر سکتا ہوں جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں فرمایا۔"

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اے امیر المومنین! درست ہے کہ یہ کام ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ظاہری حیاتِ مقدسہ میں نہیں کیا لیکن "ہو واللہ خیر" اللہ کی قسم! بہت اچھا اور بھلائی پر مبنی ہے۔ لہٰذا ہمیں اسے ضرور کرنا چاہیے۔ اس بحث و تمحیص کے دوران سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا سینہ کھل گیا اور کاتب وحی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اس عظیم کام پر مامور کیے گئے۔ چنانچہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کھجور کی شاخوں، سفید پتھروں اور لوگوں کے سینوں سے قرآن کو جمع کرنا شروع کر دیا اور اس طرح تیار کیے گئے قرآن حکیم کے چند نسخے جو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بعد ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس محفوظ ہو گئے تھے بعد میں سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان سے منگوا کر قرآنِ حکیم کو دوبارہ موجودہ ترتیب میں یک جا کر دیا۔

.1 بخاری، الصحیح، کتاب التفسیر، باب قولہ : لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم، 4 : 1720، رقم : 4402

.2 ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، باب من سورۃ توبۃ، 5 : 283، رقم : 3103

اس طرح تاریخِ اسلام میں پہلی بدعتِ حسنہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں وقوع پذیر ہوئی۔

2۔ باجماعت نمازِ تراویح کی اِبتداء

جمع وتدوینِ قرآن کی طرح یہ عمل بھی سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے فرمان کی تعمیل میں باقاعدہ وجود پذیر ہوا۔ احادیثِ مبارکہ میں مذکور ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں رمضان المبارک میں تین راتیں نماز تراویح باجماعت پڑھائی۔ اس کے بعد فرض ہو جانے کے خدشہ سے آپ صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم نمازِ تراویح گھر میں ہی پڑھتے رہے اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنھم بھی اِنفرادی طور پر اپنی اپنی نماز پڑھ لیتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک کے بعد سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اڑھائی سالہ دورِ خلافت میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کا یہی معمول رہا۔ جب سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا اور آپ نے دیکھا کہ رمضان المبارک میں لوگ مختلف شکلوں میں نماز تراویح ادا کر رہے ہیں۔ تو اس خیال سے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کے اندر مساجد کو آباد کرنے کا ذوق بھی کم ہو سکتا ہے اور اگر صورت حال یہی رہی تو عین ممکن ہے کسی وقت لوگ نماز تراویح پڑھنا ہی ترک کر دیں، انہوں نے یہ اِجتہاد فرمایا اور سب کو حافظِ قرآن حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پیچھے نمازِ تراویح باجماعت پڑھنے کا حکم دیا۔ صحابہ کرام کو باجماعت نمازِ تراویح پڑھتے دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

نعم البدعۃ ہذہ، والتی ینامون عنہا اِفضل من التی یقومون.

”یہ کتنی اچھی بدعت ہے اور رات کا وہ حصہ جس میں لوگ سو جاتے ہیں اُس حصہ سے بہتر ہے جس میں وہ قیام کرتے ہیں۔“

.1 بخاری، الصحیح، کتاب صلاۃ التراویح، باب فضل من قام رمضان، 2 : 707، رقم : 1906

.2 مالک، الموطأ، 1 : 114، رقم : 250

.3 بیہقی، السنن الکبری، 2 : 493، رقم : 4379

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اِس قول کی وضاحت کرتے ہوئے عبد الرحمان بن عبد القاری تابعی بیان کرتے ہیں :

یرید آخر اللیل، وکان الناس یقومون اِوّلہ .

’’حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مراد رات کا آخری حصہ تھا جب کہ لوگ پہلے حصہ میں قیام کرتے تھے۔‘‘ (2)

(2) یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب رات کے آخری حصہ میں کی جانے والی عبادت زیادہ فضیلت رکھتی ہے تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اِبتدائی حصہ میں قیام کیوں شروع کروایا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی (773۔852ھ) ''فتح الباری (4 : 253)'' میں اِس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

ہذا تصریح منہ بأن الصلاۃ فی آخر اللیل إفضل من إولہ، لکن لیس فیہ إن الصلاۃ فی قیام اللیل فرادی إفضل من التجمیع.

''اِس میں صراحت ہے کہ رات کے پچھلے پہر کی نماز پہلے پہر کی نماز سے افضل ہے، تاہم اِس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ تنہا نماز پڑھنا باجماعت نماز پڑھنے سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔''

پس اِس سے واضح ہو گیا کہ اگرچہ آخرِ شب پڑھی جانے والی نماز فضیلت کی حامل ہے لیکن باجماعت ادا کی جانے والی نمازِ تراویح. جو رات کے اِبتدائی حصہ میں ادا کی جاتی ہیں۔ زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔

اس روایت میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خود ''نعم البدعۃ ھذہ'' فرما کر یہ ثابت کر دیا کہ ہر بدعت، بدعتِ سیئہ نہیں ہوتی بلکہ بے شمار بدعات اچھی بھی ہوتی ہیں۔ اور بدعتِ حسنہ اور سیئہ کی تقسیم مبنی بر حدیث ہے، محض قیاسی تقسیم نہیں بلکہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قول پر قائم ہے۔

3۔ نمازِ جمعہ سے قبل دوسری اذان

نماز جمعہ میں خطبہ سے پہلے دوسری اذان عہدِ عثمانی رضی اللہ عنہ میں شروع کی گئی تھی۔ اِمام بخاری (194۔256ھ) لکھتے ہیں:

اِن التاذین الثانی یوم الجمعۃ، اِمر بہ عثمان، حین کثر اِہل المسجد.

”بے شک جمعہ کے دن دوسری اذان کا حکم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دیا جب مسجد میں آنے والوں کی تعداد زیادہ ہو گئی۔“

بخاری، الصحیح، کتاب الجمعۃ، باب الجلوس علی المنبر عند التأذین، 1 : 310، رقم: 873

لہٰذا جس طرح خیر القرون میں بھی تدوینِ قرآن حکیم کے موقع پر اَجل صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے ذہنوں میں یہ سوال اٹھا تھا کہ جو کام حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں کیا وہ کیسے کر سکتے ہیں، اُسی طرح آج کے دور میں بھی جشن میلادالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس جیسے دیگر اُمورِ خیر کے بارے میں لوگوں کے ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا وہ جائز ہیں جب کہ اَوائل دورِ اِسلام میں ان کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ اور جس طرح صحابہ کرام کو اِنشراحِ صدر ہوا اور اُنہوں نے بھلائی کے ان نئے کاموں کو اپنایا اُسی طرح ہم نے محافلِ میلاد اور جشنِ میلادالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اَمرِ خیر اور باعثِ برکت ہونے کے اپنایا ہے۔

تصورِ بدعت اور چند عصری نظائر و واقعات

اِس ضمن میں چند شہادتیں عصری نظائر و واقعات سے پیش کی جاتی ہیں :

1۔ اِسلامی حکومت کے قیام کا مسئلہ

شریعت نے ضروری قرار دیا کہ مسلمانوں کی نمائندہ حکومت ہو، لیکن اِس کا انتخاب کس طرح ہو، حکومت کی تشکیل کس نظام کے تحت کی جائے، اس کے ادارے کس طرح وجود میں آئیں اور پھر ان میں اِختیارات کی تقسیم کس اُسلوب پر ہو؟ ان تفصیلات کے متعلق شریعت میں صریح اَحکامات نہیں ملتے۔ ہر مسلمان ریاست نے اپنی صواب دید کے مطابق جو نظام ضروری سمجھا اپنا لیا۔

2۔ تعمیرِ مساجد کا مسئلہ

اَوائلِ اسلام میں پختہ مکانات بنانا ناپسند خیال کیا جاتا تھا، لہٰذا مسجد کو بھی اَز رُوئے شرع پختہ بنانا ناجائز تصور کیا جاتا رہا۔ پھر ایک وقت آیا جب اسلامی سلطنت کی حدیں شرق تا

غرب تک پھیل گئیں، تہذیب و ثقافت اور رہن سہن کے طریقوں میں تبدیلیاں آ گئیں، لوگوں نے اپنی رہائش کے لیے بڑے بڑے کشادہ اور پختہ مکانات بنانا شروع کر دیے۔ بنو اُمیہ اور بنو عباس کے دورِ حکومت اور مابعد اِسلامی مملکت کے جاہ و جلال کے دور میں مسلمانوں نے عالی شان محلات تعمیر کیے تو علماء نے وقت کے تقاضوں کے مطابق مساجد کی تعمیر کو بھی اسی طرح نہ صرف جائز کہا بلکہ عظمتِ اسلام کے پیش نظر ضروری قرار دیا۔

اگر مساجد کی تعمیر میں تبدیلی پر غور کیا جائے تو اس کی مصلحت اب سمجھ میں آتی ہے کہ اس وقت لوگوں کے اپنے گھر کچے ہوتے تھے لہٰذا اللہ کے گھر کا کچا ہونا باعثِ ننگ و عار نہ تھا۔ لیکن جب لوگوں کے اپنے مکانات پختہ محلات میں بدل گئے تو خانۂ خدا کی وجاہت اور ظاہری رعب و دبدبہ کے پیشِ نظر پختہ اور خوبصورت مساجد کی تعمیر کے جواز کا فتویٰ دے دیا گیا۔ اِس سے واضح ہوتا ہے کہ دین کو اگر ظاہری لفظوں سے سمجھنے کی کوشش کی جائے تو اس سے (الا ماشاء اللہ) گمراہی کے سوا کچھ نہیں ملتا لیکن اگر دین کی اصل روح اور اس میں کارفرما حکمتوں پر غور کرکے اس کے اَحکام کو پرکھا جائے تو دین کا صحیح فہم پیدا ہوتا ہے۔

3۔قرآن حکیم کا ترجمہ و تفسیر

قرآن حکیم کی تعلیمات لوگوں تک پہنچانے کے لیے ضروری تھا کہ اس کے تراجم اور تفاسیر بھی مختلف ممالک کے لوگوں کی زبان اور فہم کے مطابق ہوں لیکن دین کے بارے میں ظاہری الفاظ پر نظر رکھنے والا ناپختہ اور انتہا پسند جامد ذہن ہر دور میں ہونے والے نئے کام کی مزاحمت میں پیش پیش رہا ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان میں جب پہلی مرتبہ اسی ضرورت کے پیشِ نظر قرآن حکیم کا ترجمہ فارسی زبان میں کیا تو یہاں کے ظاہربین علماء نے بہت واویلا کیا، کفر و بدعت کے فتاویٰ صادر کیے کہ قرآن کو عربی زبان سے فارسی میں منتقل کیا جارہا ہے۔ لیکن آنے والے وقت نے ثابت کر دیا کہ یہ نئی بدعت مصلحتِ وقت اور عین تقاضائے تبلیغِ دین تھی، جب کہ فتویٰ لگانے والے اُس وقت اس دینی مصلحت سے ناآشنا تھے۔

اَئمہ و محدثین کی بیان کردہ اَقسامِ بدعت

دین کے متذکرہ پہلوؤں کو مدّ نظر رکھتے ہوئے ہی اَئمہ و محدثین نے بدعت کی پانچ اقسام بیان کی ہیں، جن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

1۔اِمام شافعی (150۔204ھ)

شافعی فقہ کے بانی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بدعت کی تقسیم ان الفاظ میں کرتے ہیں:

المحدثات من الأمور ضربان: ما أحدث یخالف کتابا أو سنۃ أو اثرا أو إجماعا فھذہ البدعۃ ضلالۃ، وما إحدث من الخیر لا خلاف فیہ لواحد من ھذا، فھذہ محدثۃ غیر مذمومۃ، قد قال عمر رضی اللہ عنہ فی قیام رمضان: نعمت البدعۃ ھذہ.

’’محدثات میں دو قسم کے اُمور شامل ہیں: پہلی قسم میں تو وہ نئے اُمور ہیں جو قرآن و سنت، آثارِ صحابہ یا اِجماعِ اُمت کے خلاف ہوں۔ پس یہ بدعتِ ضلالہ ہیں۔ اور دوسری قسم میں وہ نئے اُمور ہیں جن کو بھلائی کے لیے انجام دیا جائے اور کوئی ان میں سے کسی کی مخالفت نہ کرتا ہو۔ پس یہ نئے اُمور ناپسندیدہ نہیں ہیں۔ اِسی لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے رمضان میں تراویح کے قیام کے موقع پر فرمایا تھا: یہ کتنی اچھی بدعت ہے۔‘‘

.1 ذہبی، سیر إعلام النبلاء، 10 : 70

.2 سیوطی، الحاوی للفتاوی : 202

.3 سیوطی، حسن المقصد فی عمل المولد : 52، 53

2۔ شیخ عزالدین بن عبد السلام (577۔660ھ)

شیخ عزالدین بن عبد السلام سلمی اپنی کتاب ''قواعد الاحکام فی مصالح الانام'' میں فرماتے ہیں :

البدعة فعل مالم يعهد فی عهد النبی صلی الله عليه وآله وسلم، وتنقسم إلی خمسة إحکام يعنی الوجوب والندب. . . الخ. وطريق معرفة ذلک إن تعرض البدعة علی قواعد الشرع فأی حکم دخلت فيه فهی منه، فمن البدع الواجبة تعلم النحو الذی يفهم به القرآن والسنة، ومن البدع المحرمة مذهب نحو القدرية، ومن البدع المندوبة إحداث نحو المدارس والاجتماع لصلاة التراويح، ومن

البدع المباحۃ المصافحۃ بعد الصلاۃ، ومن البدع المکروہۃ زخرفۃ المساجد والمصاحف إی بغیر الذہب۔

’’بدعت ایسا فعل ہے جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں نہ تھا اور بدعت کو پانچ اَحکام میں تقسیم کیا جاتا ہے یعنی واجب اور ندب وغیرہ اور اس کی پہچان کا طریقہ کار یہ ہے کہ بدعت کو قواعدِ شرعیہ پر پرکھا جائے گا۔ پس وہ جو حکم شرعی پر پورا اترے گا اسی قسم میں سے ہوگا۔ پس نحو کا علم سیکھنا جس سے قرآن اور سنت کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے، بدعتِ واجبہ میں سے ہے۔ اور قدریہ جیسے نئے مذہب بنانا بدعتِ محرمہ میں سے ہے۔ اور مدارس بنانا اور نمازِ تراویح جماعت کے ساتھ ادا کرنا بدعتِ مندوبہ میں سے ہے۔ اور نماز کے بعد مصافحہ کرنا بدعتِ مباحہ میں سے ہے۔ اور سونا اِستعمال کیے بغیر مساجد اور قرآن کی تزئین و آرائش کرنا بدعتِ مکروہہ میں سے ہے۔‘‘

ابن حجر ہیتمی، الفتاوی الحدیثیۃ: 203

3۔ملا علی قاری حنفی (م 1014ھ)

ملا علی قاری حنفی ''مشکوٰۃ المصابیح'' کی شرح ''مرقاۃ المفاتیح'' میں لکھتے ہیں:

قال الشیخ عز الدین بن عبد السلام فی آخر کتاب القواعد: البدعۃ: إما واجبۃ کتعلم النحو لفہم کلام اللہ ورسولہ وکتدوین إصول الفقہ والکلام فی الجرح والتعدیل. وإما محرمۃ کمذہب الجبریۃ والقدریۃ والمرجئۃ والمجسمۃ. والرد علی ہؤلاء من البدع الواجبۃ لأن حفظ الشریعۃ من ہذہ البدع فرض کفایۃ. وإما مندوبۃ کإحداث الربط والمدارس وکل إحسان لم یعہد فی الصدر الأول وکالتراویح إی بالجماعۃ العامۃ والکلام فی دقائق الصوفیۃ. وإما مکروہۃ کزخرفۃ المساجد وتزوین المصاحف یعنی عند الشافعیۃ، وإما عند الحنفیۃ فمباح. وإما مباحۃ کالمصافحۃ عقیب الصبح والعصر إی عند الشافعیۃ إیضًا وإلا فعند الحنفیۃ مکروہ، والتوسّع فی لذائذ المأکل والمشارب والمساکن وتوسیع الأکمام.

''شیخ عز الدین بن عبد السلام ''القواعد'' کے آخر میں بدعت کے بارے میں فرماتے ہیں: اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام کو سمجھنے کے لیے نحو کا سیکھنا، اُصولِ فقہ کی تدوین کرنا اور علم جرح و تعدیل کا حاصل کرنا بدعتِ واجبہ ہے، جب کہ

بدعتِ محرمہ میں نئے مذاہب کا وجود ہے جیسے جبریہ، قدریہ، مرجئہ اور مجسمہ اور ان تمام کا ردّ بدعتِ واجبہ سے کیا جائے گا کیوں کہ اِسی بدعت سے شریعت کی حفاظت کرنا فرضِ کفایہ ہے۔ جب کہ سرائیں اور مدارس کا قیام اور ہر قسم کی نیکی کے فروغ کے کام جو اِسلام کے اِبتدائی دور میں نہ تھے جیسے باجماعت نمازِ تراویح اور تصوف کے پیچیدہ نکات ور موز پر گفتگو کرنا بدعتِ مندوبہ میں شامل ہیں۔ شوافع کے ہاں مساجد اور قرآن کی تزئین و آرائش کرنا بدعتِ مکروہہ ہے، جب کہ اَحناف کے ہاں یہ اَمر مباح ہیں۔ اور شوافع کے ہاں فجر اور عصر کے بعد مصافحہ کرنا بدعتِ مباحہ ہے، جب کہ اَحناف کے نزدیک یہ اَمر مکروہ ہیں اور اِسی طرح لذیذ کھانے، پینے اور گھروں کو وسیع کرنا (جیسے اُمور بھی بدعتِ مباحہ میں شامل) ہیں۔"

ملا علی قاری، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، 1 : 216

کلّ بدعۃ ضلالۃ کا صحیح مفہوم

ملا علی قاری کل بدعۃ ضلالۃ کا صحیح مفہوم واضح کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں :

إی کل بدعة سیئة ضلالة، لقوله علیه الصلاة والسلام: من سنّ فی الإسلام سنّة حسنة فله إجرہا وإجرمن عمل بہا" وجمع إبوبکر وعمر القرآن وکتبہ زید فی المصحف وجدد فی عہد عثمان رضی اللہ عنہم.

"یعنی ہر بری بدعت گمراہی ہے کیوں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اِرشاد ہے: "جس نے اِسلام میں کوئی اچھا طریقہ ایجاد کیا تو اُسے اُس عمل کا اور اُس پر عمل کرنے والے کا اَجر ملے گا۔" اور یہ کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم جمع کیا اور حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اِسے صحیفہ میں لکھا اور عہد عثمانی میں اِس کی تجدید کی گئی۔"

1. ملا علی قاری، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، 1 : 216.

2. شبیر احمد دیوبندی، فتح الملہم بشرح صحیح مسلم، 2 : 406.

2۔ابن حجر مکی بدعت کی اَقسام بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں :

وفی الحدیث : کل بدعة ضلالة، و کل ضلالة فی النار . و ہو محمول علی المحرّمة لا غیر .

’’اور جو حدیث میں ہے کہ ’’ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جائے گی‘‘ اس حدیث کو بدعتِ محرّمہ پر محمول کیا گیا ہے،اِس کے علاوہ اور کسی پر نہیں۔‘‘

ابن حجر ہیتمی، الفتاوی الحدیثیة: 203

بدعت کی اس تقسیم کے بعد معلوم ہوا کہ اگر بدعت شریعت کے مستحسنات کے تحت آ جائے تو وہ بدعتِ حسنہ ہے اور اگر مستقبحات کے تحت آ جائے (یعنی مخالف دلیل ہو) تو بدعتِ سیئہ ہے اور اگر ان دونوں میں نہ آئے تو وہ بدعت مباحہ ہے۔

تقسیمِ بدعت

مذکورہ بالا تعریفاتِ بدعت کی روشنی میں ہم ذیل میں خلاصۃً محدثین وائمہ کی بیان کردہ بدعت کی تقسیم بیان کریں گے۔بنیادی طور پر بدعت کی دو اَقسام ہیں :

1۔ بدعتِ حسنہ

2۔ بدعتِ سیئہ

ان میں سے ہر ایک کی پھر مزید اقسام ہیں جن کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے:

1۔ بدعتِ حسنہ کی اَقسام

بدعتِ حسنہ کی مزید تین اَقسام ہیں :

1۔ بدعتِ واجبہ

2۔ بدعتِ مستحبہ (مستحسنہ)

3۔ بدعتِ مباحہ

(1) بدعتِ واجبہ

وہ کام جو اپنی ہیئت میں تو بدعت ہو لیکن اِس کا وجود واجب کی طرح دین کی ضرورت بن جائے اور اِسے ترک کرنے سے دین میں حرج واقع ہو۔ جیسے قرآنی آیات پر اعراب، فہمِ دین کے لیے صرف و نحو کی درس و تدریس، اُصولِ تفسیر، اُصولِ حدیث، فقہ و اُصولِ فقہ اور دیگر علومِ عقلیہ وغیرہ کی تعلیم کا اِہتمام، دینی مدارس کا قیام، درسِ نظامی کے نصابات اور ان کی اِصطلاحات سب "بدعتِ واجبہ" ہیں۔

(2) بدعتِ مستحبہ (مستحسنہ)

جو کام اپنی ہیئت اور اَصل میں نیا ہو لیکن شرعاً ممنوع ہو نہ واجب کی طرح ضروری ہو بلکہ عام مسلمان اسے مستحسن اَمر سمجھتے ہوئے ثواب کی نیت سے کریں تو اس کے نہ کرنے والا گناہ گار بھی نہیں ہوتا لیکن کرنے والے کو ثواب ملتا ہے، جیسے مسافر خانوں اور

مدارس کی تعمیر وغیرہ ہر وہ اچھی بات جو پہلے نہیں تھی اس کا ایجاد کرنا بھی بدعتِ مستحبہ ہے، جیسے نمازِ تراویح کی جماعت، تصوف و طریقت کے باریک مسائل کا بیان، محافلِ میلاد، محافلِ عرس وغیرہ جنہیں عام مسلمان ثواب کی خاطر منعقد کرتے ہیں اور ان میں شرکت نہ کرنے والا گناہ گار نہیں ہوتا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنھما نے فرمایا:

فمارآہ المؤمن حسناً فھو عند اللہ حسن، ومارآہ المؤمنون قبیحاً فھو عند اللہ قبیح.

”جس کو (بالعموم) مومن اچھا جانیں وہ اللہ کے ہاں بھی اچھا ہے اور جس کو مومن برا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی برا ہے۔“

1. بزار، البحر الزخار (المسند)، 5 : 212، 213، رقم: 1816
2. طیالسی، المسند، 1 : 33، رقم: 246
3. احمد بن حنبل، المسند، 1 : 379، رقم: 3600

4. حاکم، المستدرک علی الصحیحین، 3 : 83، رقم : 4465

5۔ ہیثمی نے ''مجمع الزوائد و منبع الفوائد (1 : 177، 178)'' میں کہا ہے کہ اِسے احمد، بزار اور طبرانی نے روایت کیا ہے اور اِس کے رجال موثق (ورجالہ موثقون) ہیں۔

6۔ عجلونی نے ''کشف الخفاء ومزیل الالباس (2 : 245، رقم : 2214)'' میں کہا ہے کہ یہ روایت موقوف حسن ہے۔

اِس تعریف کی رُو سے جشنِ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدعتِ مستحسنہ ہے، جسے مومن ثواب کی نیت سے کرتے ہیں اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی مقبول ہے کیوں کہ اِسے جمہور مسلمان (سوادِ اَعظم) مناتے ہیں۔

(3) بدعتِ مباحہ

وہ نیاکام جو شریعت میں منع نہ ہو اور جسے مسلمان صرف جائز سمجھ کر ثواب کی نیت کے بغیر اِختیار کر لیں۔ فقہاء نے فجر اور عصر کی نماز کے بعد مصافحہ کرنے اور عمدہ عمدہ جدید کھانے اور مشروبات کے استعمال کو "بدعتِ مباحہ" کہا ہے۔

2۔ بدعتِ سیئہ کی اقسام

بدعتِ سیئہ کی دو اقسام بیان کی جاتی ہیں:

1۔ بدعتِ محرّمہ

2۔ بدعتِ مکروہہ

(1) بدعتِ محرّمہ

وہ نیاکام جس سے دین میں تضاد، اِختلاف اور اِنتشار واقع ہو مثلًا قدریہ، جبریہ، مرجئہ اور مرزائی و قادیانی وغیرہ جیسے نئے مذاہب کا وجود میں آنا۔ اِسے بدعتِ ضلالہ بھی کہتے ہیں۔ اِن مذاہبِ باطلہ کی مخالفت بدعتِ واجبہ کا درجہ رکھتی ہے۔

(2) بدعتِ مکروہہ

جس نئے کام سے سنت مؤکدہ یا غیر مؤکدہ چھوٹ جائے وہ بدعتِ مکروہہ ہے۔ اِس میں علماء متقدمین نے مساجد کی بلاضرورت فخریہ آرائش و تزئین وغیرہ کو شامل کیا ہے۔

تقسیمِ بدعت پر متنِ حدیث سے اِستشہاد

بدعت کے مذکورہ تصوّر اور تقسیم کی مزید وضاحت کے لیے حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنھما سے مروی حدیث مبارکہ نہایت اہم ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من سنّ فی الإسلام سنۃ حسنۃ فلہ إجرہا وإجر من عمل بہا بعدہ، من غیر إن ینقص من إجورہم شیء. ومن سن فی الإسلام سنۃ سیئۃ کان علیہ وزرہا ووزر من عمل بہامن بعدہ، من غیر إن ینقص من إوزارہم شیء.

”جو شخص اِسلام میں کسی نیک کام کی بنیاد ڈالے تو اس کے لئے اس کے اپنے اَعمال کا بھی ثواب ہے اور جو اُس کے بعد اِس پر عمل کریں گے اُن کا ثواب بھی ہے، بغیر اِس کے کہ اُن کے ثواب میں کوئی کمی کی جائے۔ اور جس نے اِسلام میں کسی بری بات کی اِبتدا کی تو اُس پر اُس کے اپنے عمل کا بھی گناہ ہے اور جو اُس کے بعد اِس پر عمل کریں گے اُن کا بھی گناہ ہے، بغیر اِس کے کہ اُن کے گناہ میں کچھ کمی ہو۔“

1. مسلم، الصحیح، کتاب الزکاۃ، باب الحث علی الصدقۃ ولو بشق تمرۃ او کلمۃ طیبۃ وانہا حجاب من النار، 2 : 704، 705، رقم: 1017

2. مسلم، الصحیح، کتاب العلم، باب من سن سنۃ حسنۃ او سیئۃ ومن دعا إلی ہدی او ضلالۃ، 4 : 2059، رقم: 1017

3. نسائی، السنن، کتاب الزکاۃ، باب التحریض علی الصدقۃ، 5 : 76، رقم: 2554

4. ابن ماجۃ، السنن، المقدمۃ، باب من سن سنۃ حسنۃ او سیئۃ، 1 : 74، 75، رقم: 203، 206، 207

5. احمد بن حنبل، المسند، 4 : 357، 359

اس حدیث میں لفظ ''سنّ'' لغوی معنی کے اِعتبار سے ''ابدع'' کے ہم معنی ہے یعنی جس نے اسلام میں کوئی اچھی (نئی) راہ نکالی۔ یہاں سے ''بدعتِ حسنہ'' کا تصور ابھرتا ہے۔ اِسی طرح ''من سنّ فی الاسلام سنۃ سیئۃ'' سے بدعتِ سیئہ کی طرف اشارہ ہے۔ اگر کوئی اعتراض کرے کہ اس سے تو صرف ''سنت'' ہی مراد ہے بدعت مراد نہیں لی جاسکتی تو اس کا جواب یہ ہے کہ (معاذ اللہ) اگر اس سے مراد صرف ''سنت'' ہی ہوتا تو کیا وہاں ''حسنہ'' کہنے کی ضرورت تھی؟ کیا کوئی سنت غیر حسنہ بھی ہوسکتی ہے؟
دوسری بات یہ ہے کہ عمل کرنے کے حوالے سے ''مَنۡ عَمِلَ'' تو کہہ سکتے ہیں مگر ''من سنّ'' کہنے کی کیا ضرورت ہے کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت سے ایک اُمتی کیا ''راہ'' نکالے گا؟ وہ تو صرف عمل اور اِتباع کا پابند ہے۔ پس ثابت ہوا کہ ''سَنَّ'' سے مراد معروف معنوں میں سنت نہیں ہے بلکہ یہاں لغوی معنی یعنی راستہ اور نئی راہ نکالنا مراد ہے۔

بدعت کی مندرجہ بالا اَقسام اور تفصیلات متعدد ائمہ حدیث اور فقہاء نے اپنے اپنے انداز میں اپنی کتب میں بیان کی ہیں۔ تفصیلات ہماری کتاب ’’کتاب البدعۃ‘‘ میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

مندرجہ بالا تفصیلات کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر عمل کو اِس ڈھب پر نہیں دیکھا جاتا کہ یہ عمل حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ہوتا تھا یا نہیں اور بعد میں کب شروع ہوا بلکہ اس کو پرکھنے کے لیے عمل کی ہیئت کبھی رسم و رواج پر منحصر ہوتی ہے اور کبھی وقت کی ضروریات اور تقاضوں پر کبھی اس کام میں کئ حکمتیں کارفرما ہوتی ہیں اور کبھی کئ مصلحتیں۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ کیا اس کی کوئی اصل قرآن وسنت سے ثابت ہے یا نہیں؟ کیا بلاواسطہ یا بالواسطہ اس کا کوئی ثبوت قرآن وسنت میں موجود ہے؟ یا پھر وہ کام اس لیے بھی قابل مذمت ٹھہرتا ہے کہ اس سے کسی واجب، سنت یا مستحب پر زَد پڑتی ہے۔

اگر کسی نئے عمل کی اصل قرآن حکیم یا سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہو جائے تو پھر وہ طعن و تشنیع اور گمراہی یا گناہ کا باعث نہیں رہتا اور اگر بہ فرضِ محال

قرآن وسنت سے بالواسطہ یا بلاواسطہ ثابت نہ بھی ہو لیکن اس سے قرآن وسنت کی مخالفت نہ ہوتی ہو تو پھر بھی وہ کسی قسم کی قباحت کا باعث نہیں بنتا اور نہ ہی اس پر طعن و تشنیع درست ہے۔ البتہ صرف اس صورت میں کوئی بدعت ناجائز اور قبیح کے زمرے میں شامل ہو کر قابلِ مذمت ٹھہرے گی جب وہ قرآن وسنت کی کسی نص یا شریعت کے کسی حکم کے خلاف ہو یا دین کے عمومی مزاج اور اُس کی روح کے منافی ہو۔

قرآن وحدیث میں جشنِ میلاد کی اَصل موجود ہے

گزشتہ اَبواب میں قرآن حکیم کی آیات اور متعدد احادیث کے ذریعے جشنِ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرعی حیثیت اور اس کی اصل غرض وغایت صراحت کے ساتھ بیان کی جا چکی ہے۔ لہٰذا اَصلاً حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کو اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اُس کا اِحسانِ عظیم تصور کرتے ہوئے اِس کے حصول پر خوشی منانا اور اسے باعث مسرت وفرحت جان کر تحدیثِ نعمت کا فریضہ سر انجام دیتے ہوئے بہ طور عید منانا مستحسن اور قابلِ تقلید عمل ہے۔ مزید برآں یہ خوشی منانا نہ صرف سنتِ اِلٰہیہ ہے بلکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپنی سنت بھی قرار پاتا ہے، صحابہ کرام کے آثار سے بھی ثابت ہے اور اِس پر مؤید سابقہ امتوں کے عمل کی گواہی بھی

قرآن حکیم نے صراحتاً فراہم کر دی ہے۔ اب بھی اگر کوئی اس کے جواز اور عدم جواز کو بحث و مناظرہ کا موضوع بنائے اور اس کو ناجائز، حرام اور قابلِ مذمت کہے تو اسے ہٹ دھرمی اور لاعلمی کے سوا اور کیا کہا جائے گا!

جمہور اُمت گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی

شریعت مطہرہ نے بہت سے معاملات کی تہ میں کارفرما اَساسی تصورات اور اُصول بیان کر دیے ہیں لیکن ان کی تفصیل اور ہیئت کا اِنحصار اُمتِ مسلمہ کے علماء اور اکابر پر چھوڑ دیا کہ اُمت کے علماء حق اور ائمہ دین کی اکثریت جس اَمر پر متفق ہو جائے، گزشتہ صفحات میں دیے گئے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنھما سے منقول قول کے مطابق بالکل درست اور قرآن و سنت کے تابع ہے۔ اِس کی تائید مرفوع صحیح احادیث سے بھی ہوتی ہے، جن کے مطابق فی الحقیقت اُمت کی اکثریت یعنی سوادِ اَعظم کبھی گمراہ نہیں ہو سکتا، گمراہ ہمیشہ اَقلیت (سوادِ اَعظم سے الگ ہونے والی جماعت) ہوتی ہے۔ وقتاً فوقتاً جو چھوٹی چھوٹی تحریکیں اور جماعتیں بنتی رہتی ہیں، جن کے عقائد و نظریات امت کی بھاری اکثریت کے عقائد و نظریات کے خلاف ہوتے ہیں اور جو اُمت کے سوادِ اَعظم کو گمراہ، کافر، مشرک، جاہل اور بدعتی کہتی ہیں دراصل خود گمراہ ہوتی ہیں۔ اِسی لیے فتنہ و فساد اور

تفرقہ و انتشار کے دور میں اُمت کو سوادِ اَعظم (سب سے بڑی جماعت) کا دامن پکڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔

1۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إن إمتی لا تجتمع علی ضلالۃ، فإذا رایتم اختلافا، فعلیکم بالسواد الأعظم.

’’بے شک میری اُمت کبھی گمراہی پر جمع نہیں ہوگی۔ پس اگر تم اِن میں اِختلاف دیکھو تو تم پر لازم ہے کہ سب سے بڑی جماعت کو اِختیار کرو۔‘‘ (2)

.1 ابن ماجہ، السنن، کتاب الفتن، باب السواد الأعظم، 2 : 1308، رقم: 3950

.2 ابن ابی عاصم، السنۃ: 41، رقم: 84

3. طبرانی، المعجم الکبیر، 12، 447، رقم: 13623

4. دیلمی، الفردوس بماثور الخطاب، 1 : 411، رقم: 1662

(2) امام جلال الدین سیوطی نے ''حاشیۂ سنن ابن ماجہ (ص: 283)'' میں سوادِ اَعظم سے طبقۂ اہلِ سنت مراد لیا ہے اور یہی حدیث کا مدّعا ہے۔

2۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اُمت کی تفرقہ پروری کی پیشین گوئی کرتے ہوئے سوادِ اعظم (اُمت کی اکثریتی جماعت) کے سوا تمام گروہوں اور جماعتوں کے جہنمی ہونے کی وعید بیان فرمائی۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

تفرقت بنوإسرائیل علی إحدی وسبعین فرقۃ، وتفرقت النصاری علی اثنتین وسبعین فرقۃ، وإمتی تزید علیھم فرقۃ، کلھا فی النار إلا السواد الأعظم.

''بنی اسرائیل اِکہتر (71) فرقوں میں تقسیم ہوئے اور نصاری بہتر (72) فرقوں میں تقسیم ہوئے، جب کہ میری اُمت ان پر ایک فرقہ کا اضافہ کرے گی۔ وہ تمام فرقے جہنمی ہوں گے سوائے سوادِ اَعظم (اُمت کے اکثریتی طبقہ) کے۔''

1. طبرانی، المعجم الأوسط، 7 : 176، رقم: 7202

2. ابن ابی شیبہ، المصنف، 7 : 554، رقم: 37892

3. حارث، المسند، 2 : 716، رقم: 706

4. بیہقی، السنن الکبری، 8 : 188

5. ہیثمی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، 7 : 258

3۔ سوادِ اعظم کی اَہمیت کو اُجاگر کرتے ہوئے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إثنان خير من واحد، وثلاثة خير من اثنين، وأربعة خير من ثلاثة، فعليكم بالجماعة، فإن اللہ لن يجمع إمتی إلا علی ہدی.

”دو (شخص) ایک سے بہتر ہیں، اور تین (اَشخاص) دو سے بہتر ہیں، اور چار (اَشخاص) تین سے بہتر ہیں۔ پس تم پر لازم ہے کہ (اَکثریتی) جماعت کے ساتھ رہو، یقیناً اللہ تعالیٰ میری امت کو کبھی بھی ہدایت کے سوا کسی شے پر اِکٹھا نہیں کرے گا۔“

1. احمد بن حنبل، المسند، 5 : 145، رقم: 21331

2. ہیثمی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، 1 : 177

3. ہیثمی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، 5 : 218

4۔ مذکورہ بالا حدیث مبارکہ میں بیان کیے گئے لفظ الجماعۃ سے مراد اُمت کا اَکثریتی طبقہ ہے۔ اِس کی وضاحت حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث مبارکہ

سے ہوتی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود الجماعۃ سے سوادِ اَعظم مراد لیتے ہوئے فرمایا:

والذی نفس محمد بیدہ! لتفترقن اِمتی علی ثلاث وسبعین فرقۃ، واحدۃ فی الجنۃ وثنتان وسبعون فی النار. قیل: یارسول اللہ! من ھم؟ قال: الجماعۃ.

''اُس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمد کی جان ہے! میری اُمت ضرور تہتر (73) فرقوں میں بٹ جائے گی جن میں سے صرف ایک جنت میں جائے گا اور بہتر (72) جہنم میں داخل ہوں گے۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے عرض کیا:

یارسول اللہ! من ھم؟

’’یارسول اللہ! وہ جنتی گروہ کون ہے؟‘‘

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

الجماعۃ.

’’وہ (اُمت میں سب سے بڑی) جماعت ہے۔‘‘

.1ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب افتراق الأمم، 2 : 1322، رقم: 3992

.2لالکائی، إعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ، 1 : 101، رقم: 149

5۔ درج ذیل حدیث شریف میں ''جماعت'' سے مراد اُمت کی سب سے بڑی جماعت اور اُس پر محافظت ہونا صراحتاً بیان کیا گیا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لا یجمع اللہ ہذہ الأمۃ علی الضلالۃ إبدا، ید اللہ علی الجماعۃ، فاتبعوا السواد الأعظم، فإنہ من شذ شذ فی النار.

''اللہ تعالیٰ اِس اُمت کو کبھی بھی گمراہی پر جمع نہیں کرے گا، اللہ کی حفاظت کا ہاتھ (سب سے بڑی) جماعت پر ہے، پس تم سوادِ اَعظم (سب سے بڑی جماعت) کی اِتباع کرو کیوں کہ جو اِس سے جدا ہوا یقیناً وہ جہنم میں ڈالا جائے گا۔''

.1حاکم، المستدرک علی الصحیحین، 1 : 199 . 201، رقم: 391 . 397

.2ابن إبی عاصم، کتاب السنۃ، 1 : 39، رقم: 80

.3لالکائی، إعتقاد اہل السنۃ، 1 : 106، رقم: 154

.4 دیلمی، الفردوس بماثور الخطاب، 5 : 258، رقم: 8116

.5 حکیم ترمذی، نوادر الأصول فی إحادیث الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، 1 : 422

6۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ہی مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إن اللہ لا یجمع إمتی (إو قال: إمۃ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) علی ضلالۃ، وید اللہ مع الجماعۃ، ومن شذ شذ إلی النار.

’’اللہ تعالیٰ میری اُمت کو گمراہی پر جمع نہیں کرے گا (یا فرمایا: اُمتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گمراہی پر جمع نہیں کرے گا) اور جماعت پر اللہ (تعالیٰ کی حفاظت) کا ہاتھ ہے، اور جو شخص جماعت سے جدا ہوا وہ آگ کی طرف جدا ہوا۔‘‘

1. ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب الفتن، باب ما جاء فی لزوم الجماعۃ، 4 : 466، رقم : 2167

2. حاکم، المستدرک علی الصحیحین، 1 : 200، رقم: 394

3. دانی، السنن الواردہ فی الفتن، 3 : 748، رقم: 368

اِس تصور کا مطلب ہر گز یہ نہیں کہ مسلمانوں کے اَکثریتی طبقہ میں کوئی خرابی یا بگاڑ پیدا نہیں ہو سکتا۔ یہ اَمرِ واقع ہے کہ بگاڑ اور خرابیاں پیدا ہوتی رہتی ہیں لیکن ہمیشہ پیغمبرانہ تعلیمات کے مطابق اَکثریتی طبقہ کے دائرہ کے اندر رہتے ہوئے یعنی سوادِ اَعظم سے منسلک رہتے ہوئے ہی اُمت کی اصلاح کی جد و جہد کرنی چاہیے۔ اہلِ ایمان سوادِ اَعظم کو گمراہ قرار دیتے ہوئے اِس سے خارج ہو کر اپنے لیے نئی راہ بنانا ہی دَر حقیقت گمراہی اور منافقت ہے، اور اسی سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ یومِ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منانا بھی اُن بعض اُمور میں سے ایک ہے جن پر اِس وقت جمہور اُمت جواز کے شرعی دلائل کی روشنی میں عامل ہے۔ آج اگر کوئی اُمت کے اِس اکثریتی طبقہ کو گمراہ کہتا ہے تو در حقیقت وہ خود ہی گمراہ ہے اور دوزخ کی راہ پر گامزن ہے۔

دین کی اَصل روح کو سمجھنا ضروری ہے

یہ ایک اَلمیہ ہے کہ اِسلام کے حاملین ظاہر بینی سے کام لیتے ہوئے چھوٹی چھوٹی باتوں کو کفر و ایمان کا مسئلہ بنا لیتے ہیں اور دین کی اَصل روح اور کارفرما حکمت کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نوجوان نسل جن کے سامنے دین کی اصل روح نہیں رکھی جاتی بلکہ فہمِ دین کی بجائے لفظوں کی ہیر پھیر سے دین کو متعارف کرایا جاتا ہے، روز بروز اسلام سے دور ہوتی چلی جارہی ہے۔ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ صرف اس لیے کہ (الا ماشاء اللہ) کہیں تو ذاتی مفادات کے پیشِ نظر اور کہیں نادانی کی بناء پر مذہبی ذمہ داروں نے لفظی موشگافیوں سے دین کو دشوار بنا دیا ہے، جس سے نوجوان نسل اور بالخصوص نیا تعلیم یافتہ طبقہ جو پہلے ہی مغربی تہذیب و ثقافت اور اِستعماری ذہنیت و فکری یلغار کا نشانہ بنا ہوا ہے، دور ہوتا جارہا ہے۔ اگر ہم صدقِ دل سے دین کے اصول و قوانین اور شریعتِ اِسلامیہ کے دلکش پہلو پیشِ نظر رکھیں تو کوئی وجہ نہیں کہ لوگ پھر سے عظمتِ اِسلام کے سنہری اُصولوں پر عمل پیرا ہو کر شوکت و عظمتِ رفتہ کی بحالی کے لیے کمربستہ نہ ہو جائیں۔

ظاہر پرست علماء محافلِ میلاد اور جشنِ میلاد کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے صرف اِس لیے اِسے ناجائز اور (نعوذ باللہ) حرام قرار دیتے ہیں کہ اِس قسم کی محافل اور جشن کی تقاریب اَوائل دورِ اِسلام میں منعقد نہیں ہوئیں۔ اِس بحث کے تناظر میں بدعت کی تعریف اور اس کی شرعی حیثیت پر جید ائمۂ حدیث و فقہ کے حوالے سے ہمارا موقف بالکل واضح ہے اور وہ یہ کہ اِسے لغت کی رُو سے بدعت کہنا صحیح ہے لیکن صرف بدعت کہہ کر اِسے ہدفِ تنقید بنانا اور ناپسندیدہ قرار دینا محض تنگ نظری اور ہٹ دھرمی ہے۔ جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے کہ ہر دور میں ہر چیز کی ہیئت اور صورت حالات کے مطابق بدلتی رہتی ہے۔ فریضۂ حج کی ادائیگی کے انداز اور ذرائع آمد و رفت بہ تدریج بدلتے رہے ہیں، آج لوگ پیدل یا اونٹ، گھوڑوں پر سوار ہو کر حج کے لیے نہیں جاتے، پہلے جو فاصلے مہینوں میں طے ہوتے تھے اب جدید ذرائع آمد و رفت سے گھنٹوں میں طے ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح دیگر اَرکانِ اِسلام کی ادائیگی کی صورتِ حال بھی اب پہلے جیسی نہیں۔ اس میں کئی جدتیں اور عصری تقاضے شامل ہو چکے ہیں مگر ان کی ہیئت اَصلیہ میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ اِسی پس منظر میں اگر جشنِ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودہ صورت دیکھی جائے تو یہ اپنی اَصل کے اِعتبار سے بالکل حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے۔ جس طرح ہم محافلِ میلاد میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے نعت کا اہتمام کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل و کمالات بیان کرتے

اور مختلف انداز میں سیرتِ طیبہ کا ذکر کرتے ہیں، جوفی الواقعہ ہمارے جشنِ میلاد منانے کا مقصد ہے، اِسی طرح کی محفلیں جن میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل و کمالات کا ذکر ہوتا تھا، عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بھی منعقد ہوتی تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محفل میں تشریف فرما ہوتے تھے حتی کہ اپنی محفلِ نعت خود منعقد کرواتے تھے۔

نوٹ : تصورِ بدعت سے متعلق مزید تفصیلات کے لیے ہماری تصنیف ''کتاب البدعہ'' ملاحظہ فرمائیں۔